اکتوبر ۱۹۹۳ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

- ملّتِ اسلامیہ پاکستان کی خصوصی ذمہ داری
- آنے والے دور کی ایک واضح تصویر اور پاکستان کا مستقبل

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی زیرِ طبع کتاب کے چند نہایت اہم ابوا

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

اگر آپ کسی اجتماعیت کو تباہ کرنا چاہتے ہیں

تو

- اس کے اجتماعات میں شریک ہونے سے گریز کیجئے۔ مختلف مصروفیات کی آڑ لے کر شرکت سے بچنے کے بہانے تراشیئے۔
- اگر کسی اجتماع میں شرکت کرنی ہی پڑ جائے تو دیر سے پہنچنے کی کوشش کیجئے۔
- اگر آپ کو کسی وجہ سے درس اور اجتماع کی بر وقت اطلاع نہ دی جا سکے تو ذمہ دار حضرات کو سخت سست کہئے، لاپرواہ اور غیر ذمہ دار ٹھہرایئے۔
- اجتماعات کے اندر ذمہ دار افراد پر کھلے عام کڑی تنقید اور نکتہ چینی کیجئے، انتظامات پر ناپسندیدگی کا اظہار کرنا نہ بھولیے۔
- بھول کر بھی کسی قسم کی ذمہ داری قبول نہ کیجئے، کسی قسم کا کوئی کام ہرگز نہ کیجئے۔ ہاں کام کرنے والوں پر تنقید ضرور کیجئے۔
- اگر آپ سے کسی مسئلہ پر رائے لی جائے تو ہمیشہ اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے سے گریز کیجئے اور بعد میں لوگوں سے یہ ضرور کہیئے کہ اس کام کو یوں ہونا چاہیئے تھا۔ یوں نہیں۔
- اوّل تو مالی اعانت کبھی نہ کیجئے اور اگر مجبوراً کرنی ہی پڑ جائے تو کم سے کم دیجئے۔ مگر سہولتیں اور آسانیاں زیادہ سے زیادہ حاصل کیجئے۔
- دوسرے کی ذات پر تنقید کا سنہری موقع کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیجئے، ہمیشہ دوسروں پر کیچڑ اچھالنے کی تاک میں لگے رہیئے۔
- ذاتی مفاد کو ہمیشہ اجتماعی مفاد پر ترجیح دیجئے۔

ان نہایت ہی سادہ اور زریں اصولوں پر عمل کر دیکھئے، انشاء اللہ آپ کم سے کم وقت میں کسی بھی منظم تحریک کے تار و پود نہایت آسانی سے بکھیر کر رکھ دیں گے۔!

اور

اگر آپ کسی اجتماعیت کے ساتھ مخلص ہیں۔ اس کو روز بروز ترقی کرتے اور منظم ہوتے دیکھنا چاہتے ہیں تو لِلّٰہ ان اصولوں میں سے کسی ایک کو بھی اپنے پاس نہ پھٹکنے دیجئے۔

(بشکریہ "حبل اللہ" کراچی)

جملہ رفقاء و احباب تنظیم اسلامی مطلع رہیں کہ ان شاء اللہ العزیز

تنظیمِ اسلامی پاکستان کا

اٹھارہواں سالانہ اجتماع

جمعۃ المبارک ۲۹ ؍ اکتوبر تا اتوار ۳۱ ؍ اکتوبر ۹۳ء

قرآن آڈیٹوریم

۱۹۱۔اے اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور میں منعقد ہو گا

● اجتماع کی پہلی باقاعدہ نشست ۲۹ ؍ اکتوبر بعد نماز عصر شروع ہو گی تاہم تمام رفقاء کے لیے ضروری ہو گا کہ وہ صبح دس بجے سے قبل اجتماع گاہ پہنچ جائیں ● نماز جمعہ سے قبل (ساڑھے گیارہ بجے) جامع القرآن، قرآن اکیڈمی لاہور میں امیر تنظیم اسلامی کا خطاب ہو گا ● اجتماع کے دوران تمام رفقاء اجتماع گاہ ہی میں قیام پذیر رہیں گے ● رفقاء کی راہنمائی اور سہولت کے لیے ۲۹ ؍ اکتوبر بعد نماز فجر تا قبل نماز جمعہ لاہور ریلوے اسٹیشن پر استقبالیہ کیمپ قائم ہو گا۔ بسوں کے ذریعہ آنے والے رفقاء بھی آسانی سے وہاں پہنچ سکتے ہیں۔

تمام رفقائے تنظیم اسلامی پاکستان کے لیے اس اجتماع میں شرکت لازم ہو گی

نوٹ: اس اجتماع میں خواتین کی شرکت کا انتظام نہیں ہے۔ البتہ ان کا سالانہ اجتماع ان شاء اللہ دسمبر میں ہو گا۔ حتمی تاریخ کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

المعلن: چوہدری غلام محمد، معتمد عمومی تنظیم اسلامی پاکستان

اس ضمن میں تفصیلی ہدایات صفحے کی پشت پر ملاحظہ فرمائیں

ہدایات برائے رفقائے تنظیم

۱۔ براہ کرم اپنی آمد سے استقبالیہ کو مطلع کیجئے اور تعارفی کارڈ حاصل کرکے اپنے سینے پر آویزاں کیجئے۔

۲۔ استقبالیہ کی طرف سے آپ کے لئے جو رہائش گاہ متعین کی جائے وہیں پر قیام اختیار کیجئے۔ اگر کسی وجہ سے رہائش گاہ کی تبدیلی ناگزیر ہو تو اس کے لئے ناظم رہائش گاہ سے رجوع کیجئے۔

۳۔ اجتماع میں آپ کی ہمہ وقت شرکت لازمی ہے۔ اگر کسی وقت اشد ضرورت کے تحت آپ کو اجتماع سے غیر حاضر ہونا پڑے تو اپنے امیر سے اس کی اجازت حاصل کیجئے اور استقبالیہ پر اپنے جانے اور واپس آنے کی اطلاع دیجئے۔

۴۔ کسی بھی ایسی ناشائستہ بات سے پرہیز کیجئے جس سے اجتماع کا پاکیزہ ماحول غیر سنجیدہ یا غیر پسندیدہ ہونے کا امکان ہو۔

۵۔ اپنے تمام معاملات کو انجام دیتے ہوئے سنّتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو پیشِ نظر رکھئے اور مختلف مواقع کے لئے مسنون دعاؤں کا پڑھنا اپنے معمولات میں شامل کیجئے۔

۶۔ اجتماع کے تمام پروگراموں میں پوری دلچسپی، حصولِ علم اور طلبِ ہدایت کی نیت سے شریک ہوں اور بھرپور استفادہ کے لئے کاپی پنسل اپنے ساتھ رکھیں۔

۷۔ اجتماع کے کسی بھی پروگرام پر دیگر ضمنی کاموں کو ترجیح نہ دیجئے تاکہ آپ جس مقصد کے لئے اجتماع میں تشریف لائے ہیں وہ بھرپور طریقے سے پورا ہو سکے۔

۸۔ محفل کے آداب کا بطور خاص خیال رکھئے۔ اجتماع گاہ میں بے ترتیب اور ٹکڑیوں کی شکل میں نہ بیٹھیں بلکہ مل کر اور متوجہ ہو کر بیٹھئے۔

۹۔ موسم کے مطابق بستر اور ذاتی استعمال کی ضروری اشیاء کے علاوہ ایک پلیٹ اور کپ ہمراہ لائیں۔

۱۰۔ تین یوم کے لئے زرِ طعام -/۷۵ روپے فی کس مقرر ہوا ہے۔

منجانب شمس الحق اعوان، ناظم اجتماع

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

جلد :	۴۲
شمارہ :	۱۰
ربیع الثانی	۱۴۱۴ھ
اکتوبر	۱۹۹۳ء
فی شمارہ	-/۵
سالانہ زر تعاون	-/۵۰

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

برائے سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات اور بھارت	۳۰ سعودی ریال یا ۸ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک جاپان وغیرہ۔	۱۱ امریکی ڈالر
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔	۱۴ امریکی ڈالر
ایران، عراق، اومان، مسقط، ترکی، شام، اردن، بنگلہ دیش، مصر۔	۶ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارہ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰۔ فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرضِ احوال —— ۷

حافظ عاکف سعید

☆ تذکرہ و تبصرہ —— ۹

"تفکر و تذکر" پر مبنی زیر طبع کتاب کے چند منتخب ابواب

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ الہدیٰ (قسط:۸۸) —— ۵۷

سیرتِ مطہرہ میں صبر و مصابرت کے مختلف ادوار

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ دجّالی فتنے کی علامات —— ۶۷

احادیث نبویؐ کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی کے خطابات سے ماخوذ

☆ حسنِ انتخاب —— ۷۲

امت کی وحدت اور یکجہتی

مفتی محمد شفیعؒ کے مضمون کی تلخیص

☆ خطوط و نکات —— ۷۶

جدہ سے ایک خاتون کا فکر انگیز خط اور اس کا جواب

☆ رفتارِ کار —— ۸۰

ملتان میں مبتدی تربیت گاہ، ایک مختصر رپورٹ

تنظیم اسلامی کا اٹھارہواں سالانہ اجتماع

ناظمِ اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان کا پیغام' رفقاء کے نام

تحریکوں کی نشوونما' ان کے اہداف اور صحیح سمت میں پیش قدمی قوموں کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ تنظیم اسلامی کسی نئی جدوجہد کی نقیب نہیں ہے' بلکہ یہ ان تحریکوں کا ایک تسلسل ہے جو امتِ مسلمہ کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ کے دوران مختلف اوقات میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اٹھتی رہیں اور اپنے اپنے دور کے دردمند دلوں میں ایمان کی شمعیں روشن کرتی رہیں۔

محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ کی روشن کی ہوئی شمع کے نور سے پہلے جزیرہ نمائے عرب اور اس کے بعد بحرِ اوقیانوس سے لے کر دریائے جیحوں تک کا وسیع و عریض علاقہ جگمگا اٹھا۔ چراغِ مصطفویؐ کے ضوفشاں ہونے کے ساتھ ہی شرارِ بولہبی اس سے ستیزہ کار ہوا' لیکن اپنے ارادوں میں ناکام و نامراد اور خائب و خاسر ہوا۔ دورِ نبوت کے بعد ارتداد کی آندھیاں اور کفر و نفاق کے طوفان اس شمعِ فروزاں کو بجھانے کی کوشش میں سر پٹختے رہے۔ پھر دورِ ملوکیت میں اس کے نور کو زمانے سے مستور کرنے کے لئے اس پر دبیز پردے ڈالے گئے' لیکن۔ وہ شمع کب بجھے جسے روشن خدا کرے!

یہ شمع ہر زمانے میں بادِ مخالف کے تھپیڑوں کا مقابلہ کرتی رہی اور ہر دور میں اللہ رب العزت اس کی حفاظت کے اہتمام کے لئے اس کے پاسبان پیدا فرماتا رہا۔ چنانچہ کہیں بالاکوٹ کی سنگلاخ وادی میں شہداء نے اپنے خون کا نذرانہ دے کر اسے روشن رکھا تو کہیں شیخ الہندؒ جیسے عظیم مہوت نے اسے روشن رکھنے کے لئے جزیرہ مالٹا میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں...... حتیٰ کہ مختلف راستوں کا سفر طے کرتی ہوئی یہ مشعل "اولمپک ٹارچ" کی طرح ایک ایسے مردِ قلندر کے ہاتھ آئی جس نے اپنی تمام تر صلاحیتوں اور توانائیوں کا تیل اس قندیل میں انڈیل دیا جو گھٹاٹوپ اندھیروں میں متلاشیانِ حق کے لئے واحد سہارا تھی۔

اس مردِ حق کی صدا' مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ ' پر جن لوگوں نے لبیک کہی' ان

جانفروشوں پر مشتمل افراد کے قافلے کا نام تنظیمِ اسلامی ہے جو اولاً پاکستان اور بالآخر پورے کرۂ ارضی پر نظامِ خلافت کے احیاء کے لئے کوشاں ہے۔

حبِّ عاجلہ سے دامن بچاتے ہوئے اپنے مقصود و مطلوب کے لئے منہجِ نبویؐ پر آگے بڑھتے چلے جانا اور وقتی اور انتخابی کشاکش سے دامن بچاتے ہوئے ملک کے طول و عرض میں اسلامی انقلاب کا جھنڈا بلند کئے رکھنا' اس جدوجہد کا طرۂ امتیاز ہے۔

اپنے اسی سبق کو تازہ اور یاد رکھنے کی خاطر اور تنظیمِ اسلامی میں شامل اصحابِ عزم و ہمت کی علمی و فکری رہنمائی اور باہمی اخوت و محبت کے اظہار کے لئے یہ اٹھارہواں سالانہ اجتماع ۲۹ر تا ۳۱ر اکتوبر منعقد کیا جارہا ہے۔

پورے جوش و ولولے اور ایک عزمِ نو لئے ہوئے اس میں شریک ہوں اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

ڈاکٹر عبدالخالق
ناظم اعلیٰ' تنظیم اسلامی پاکستان

راولپنڈی میں مبتدی تربیت گاہ

شمالی پنجاب و آزاد کشمیر کے رفقاء کی سہولت کے پیش نظر وسط اکتوبر میں راولپنڈی میں ایک ہفت روزہ مبتدی تربیت گاہ کا انعقاد کیا جارہا ہے۔

مقام : البدر ہوٹل کمیٹی چوک راولپنڈی

تاریخ : از نماز جمعہ ۱۵ اکتوبر تا بعد نماز ظہر ۲۱ اکتوبر ۱۹۹۳ء

تمام مبتدی رفقاء کو شرکت کی دعوت ہے!

الداعی : شمس الحق اعوان' ناظم حلقہ شمالی پنجاب و آزاد کشمیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

انتخابات کے انعقاد میں چند روز باقی رہ گئے ہیں اور اگرچہ بعض حلقوں کی جانب سے ایک علاقائی کہاوت "جاٹ مراتب جانیو جب تیجا ہولے" کے مصداق الیکشن کے انعقاد کے بارے میں ابھی تک شکوک و شبہات کا اظہار کیا جارہا ہے تاہم یوں لگتا ہے کہ انتخابات کا ہفت خواں اب مقررہ پروگرام کے مطابق طے ہو ہی جائے گا۔ (واضح رہے کہ زیر نظر شمارہ اگرچہ اپنے طے شدہ شیڈول کے مطابق الیکشن سے قبل ہی سپرد ڈاک کردیا جائے گا لیکن اس بات کا امکان موجود ہے کہ یہ قارئین کے ہاتھوں میں اس وقت پہنچے جب قومی اسمبلی کے انتخابات کے نتائج سامنے آچکے ہوں)

الیکشن کے نتائج کیا ہوں گے' پیپلزپارٹی کو اکثریت ملے گی یا مسلم لیگ فتح مند ہوگی' کیا قاضی حسین احمد کوئی بڑا اپ سیٹ کرنے میں کامیاب ہوسکیں گے یا ان کے اسلامک فرنٹ کا حشر بھی وہی ہوگا جو پچھلے الیکشن میں علامہ طاہرالقادری کی پاکستان عوامی تحریک کا ہوا تھا' ان سوالات میں سیاسی بوجھ بجھکڑوں کے لئے اگرچہ طبع آزمائی کا ایک وسیع میدان موجود ہے لیکن ہمارے لئے یہ سوالات اس اعتبار سے اپنے اندر کوئی کشش نہیں رکھتے کہ اول تو جس وقت یہ شمارہ قارئین تک پہنچے گا الیکشن کے نتائج سامنے آچکے ہوں اور دوسری اور اہم تر بات یہ ہے کہ مسلم لیگ آئندہ حکومت بنائے یا قرعہ فال پیپلزپارٹی کے نام نکلے' ہماری دانست میں ان دونوں بڑی سیاسی جماعتوں میں نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں سیکولر مزاج کی حامل جماعتیں ہیں' سودی معیشت کو جاری رکھنے بلکہ مزید وسعت دینے پر دونوں متفق ہیں' ملک کو لوٹ کر کھانے' ملکی وسائل کو اپنے قبضے میں لینے اور اختیارات کے ناجائز استعمال کی دوڑ میں یہ کہنا مشکل ہے کہ ان میں سے کون آگے ہے اور کون پیچھے' اسلامی نظام کا قیام ان دونوں جماعتوں میں سے کسی کی ترجیحات میں شامل نہیں ہے' ہاں یہ ضرور ہے کہ ایک پارٹی کی جانب سے صاف طور پر اسلامی قوانین سے بیزاری کا اظہار ہوتا ہے جبکہ دوسری پارٹی نے اب تک اسلام کے نعرے اور نفاذ شریعت کے مسئلے کو محض اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے بیساکھی کے طور پر استعمال کیا اور اب تو اس نے اس نعرے کو بھی خیرباد کہہ دیا ہے!----- باقی جہاں تک تیسری طاقت کے اقتدار میں آنے کے امکان کا تعلق ہے تو یہ محض نظری امکان ہے جس کا تادم تحریر حقیقت سے کوئی دور کا تعلق بھی معلوم نہیں ہوتا' تاہم اس امکان کو اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی ہمارے نزدیک یہ توقع رکھنا کہ پاکستان اسلامک فرنٹ برسراقتدار آکر نظام کو بدل سکے گا اور ملک میں حقیقی اسلامی انقلاب برپا کرسکے گا' ایک خام خیالی کے سوا کچھ نہیں! یہ کام صرف وہ منظم انقلابی جماعت کرسکتی ہے جو تربیت و تنظیم کے جاں گسل مراحل سے گزری ہو' اس نے بھرپور دعوتی عمل کے ذریعے انقلاب کے لئے میدان ہموار کرلیا ہو اور جس کی جدوجہد کی اساس نبوی منہاج پر استوار ہو۔ گزشتہ انتخابات میں جب آئی جے آئی کو فیصلہ کن کامیابی حاصل ہوئی تو بعض سادہ لوح حضرات جن میں جماعت اسلامی کے بعض مخلص

کارکن بھی شامل تھے، یہ سمجھتے تھے کہ بس اسلامی انقلاب آگیا! ہم نے ان کی اس غلط فہمی کی اس وقت بھی نشاندہی کی تھی۔ اس کے بعد ان کی امیدوں کا جس طرح خون ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔ قاضی حسین احمد صاحب نے اس سے یہ سبق تو ضرور سیکھا کہ اتحادوں کی سیاست سے کنارہ کشی کرلی لیکن انتخابی سیاست کی سابقہ ڈگر کو برقرار رکھا بلکہ اب ان کی "کار" پاکستان اسلامک فرنٹ کی تختی سجائے اس شاہراہ پر فراٹے بھرتی ہوئی جارہی ہے جس پر ابھی تک جماعت اسلامی بعض رکاوٹوں کی وجہ سے کچھوے کی چال چل رہی تھی جن میں کچھ شرعی رکاوٹیں بھی شامل تھیں لیکن قاضی صاحب کی کار کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لارہی۔ یہ بات تسلیم کی جانی چاہئے کہ قاضی صاحب بحیثیت مجموعی جماعت کی سابقہ پالیسی ہی کو لے کر آگے بڑھ رہے ہیں، صرف اس فرق کے ساتھ کہ ان کی رفتار سابق کے مقابلے میں بہت تیز ہے۔ گویا انہوں نے ایک زقند لگا کر جماعت اسلامی کی تحریک کو اس کے اس منطقی انجام تک پہنچادیا ہے جہاں تک پہنچنے کے لئے جماعت کو ابھی کئی سال درکار تھے۔ بہرکیف ہماری سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ یہ راستہ ہرگز اس منزل کی طرف نہیں لے جاتا جسے مقصود جان کر جماعت نے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔ چنانچہ اسلامی انقلاب کے نقطۂ نگاہ سے پاکستان اسلامک فرنٹ سے توقعات وابستہ کرنا حقیقت سے نظریں چرانے کے مترادف ہے! ---- اور ع "علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی" کے مصداق نفاذ نظام اسلامی کی منزل ہماری دانست میں صرف اور صرف اس انقلابی جدوجہد کے ذریعے سر کی جاسکتی ہے جس کے نمایاں خدوخال ہمیں سیرت کے اوراق میں نظر آتے ہیں!!

زیر نظر شمارے کے صفحہ اول پر قارئین کی نگاہ سے تنظیم اسلامی کے اٹھارہویں سالانہ اجتماع کا اعلان ضرور گزرا ہوگا۔ اسی اعتبار سے رفقائے تنظیم کے نام ناظم اعلیٰ کے پیغام کو بھی نمایاں طور پر پرچے میں جگہ دی گئی ہے۔ سالانہ اجتماع ہی کی مناسبت سے امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے نوائے وقت میں شائع ہونے والے مضامین میں سے بعض چیدہ مضامین کو شامل شمارہ کیا گیا ہے جن کے ذریعے تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت پاکستان کا مکمل موقف بہت وضاحت سے سامنے آجاتا ہے کہ ہم خود اور ہماری جدوجہد اس وقت تاریخ کے کس مرحلے سے گزر رہے ہیں، آنے والے دور کے خدوخال کیا ہیں، اسی تناظر میں ملت اسلامیہ پاکستان کی خصوصی اہمیت کیا ہے اور اس حوالے سے کیا اضافی ذمہ داری ہے جو مسلمانان پاکستان پر عائد ہوتی ہے، ہم بحیثیت قوم ذلت و رسوائی اور زوال و انحطاط کے جس گرداب میں بکڑے ہوئے ہیں اس سے نجات کیونکر ممکن ہے اور اسکی عملی شکل کیا ہے؟ یہ ہیں وہ اہم ترین موضوعات جن پر امیر تنظیم اسلامی نے اب تک کے اپنے غور و فکر کا نچوڑ ان مضامین میں پیش کیا ہے۔ تنظیمی اور تحریکی اعتبار سے یہ تحریریں ہمارے لئے نہایت قیمتی ہیں اور تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع پر رفقاء کے لئے ایک تحفے کا درجہ رکھتی ہیں۔ یہ سلسلہ مضامین جس کا آغاز عیدالفطر کے متصلاً بعد ہوا تھا، اب عنقریب کتابی صورت میں بھی شائع کردیا جائے گا!

تذکرہ و تبصرہ

○

"آنے والے دَور" کی ایک واضح تصویر
ملّتِ اسلامیہ پاکستان کی خصوصی ذمہ داری
پاکستان کا مستقبل
ہماری نجات کا واحد ذریعہ : اجتماعی توبہ

○

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی زیرِ طبع کتاب
"سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل، اور
مسلمانانِ پاکستان کی خصوصی ذمہ داری"
کے منتخب ابواب

یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

عَنِ الْمِقْدَادِ (رضی اللہ عنہ) اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم یَقُوْلُ:

"لَا یَبْقٰی عَلٰی ظَهْرِ الْاَرْضِ بَیْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ کَلِمَةَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِیْزٍ وَذُلِّ ذَلِیْلٍ، اِمَّا یُعِزُّهُمُ اللّٰهُ فَیَجْعَلُهُمْ مِنْ اَهْلِهَا، اَوْ یُذِلُّهُمْ فَیَدِیْنُوْنَ لَهَا۔"

قُلْتُ: "فَیَکُوْنُ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ"

(رواہ احمد فی "المسند" بسند صحیح)

حضرت مقداد (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"روئے زمین پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر رہ جائے گا نہ اونٹ کے بالوں کا بنا ہوا خیمہ جس میں اللہ کلمۂ اسلام کو داخل نہ کر دے! خواہ کسی سعادتمند کو عزت دے کر خواہ کسی بدبخت کی مغلوبیت کے ذریعے ـــــ یعنی یا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو عزت عطا فرما دیگا اور کلمۂ اسلام کا قائل و حامل بنا دے گا یا انہیں مغلوب فرما دے گا کہ اس کے محکوم بن جائیں!"

حضرت مقدادؓ فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے اپنے دل میں کہا! "پھر تو واقعۃً دین کل کا کل اللہ ہی کے لیے ہو جائے گا!"

"آنے والے دور" کی ایک واضح تصویر

علامہ اقبال نبوت تو درکنار، ولایت تک کے مدعی نہیں تھے (ع "میں نہ عارف، نہ مجدّد، نہ محدث، نہ فقیہ!") گویا وہ صرف ایک نابغہ انسان تھے۔ اس کے باوجود ایک جانب ع "نگاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دل وجود!" کے مصداق ان کی ژرف نگاہی اور حقیقت بینی کا عالم یہ تھا کہ انہوں نے تقریباً پون صدی قبل اس حقیقت کا مشاہدہ کہ ع "فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے!" بچشمِ قلب کر لیا تھا جو آج پوری دنیا کو بچشمِ سر نظر آ رہی ہے۔ اور دوسری جانب وہ ایک وِژنری بھی تھے اور اپنے مستقبل کے وِژن پر انہیں جو اعتماد اور یقین حاصل تھا وہ ان کے ان اشعار سے عیاں ہے کہ ۔

کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ افکار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اِک تصویر دیکھ!

اور ۔

پردہ اٹھا دوں اگر چہرۂ افکار سے
لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب!

مزید برآں اپنی اس مستقبل اندیشی اور "عاقبت بینی" میں انہیں جس قدر جذب اور انہماک حاصل تھا وہ ان کے اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے جو انہوں نے ہسپانیہ میں دریائے وادی الکبیر کے کنارے واقع جامع قرطبہ میں کہا تھا۔ یعنی ۔

آبِ روانِ کبیر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کے خواب!

اور ان کی اس "دور بینی" نے انہیں "آنے والے دور" کے جو منظر دکھائے اس پر خود اپنی حیرت اور استعجاب کا اظہار انہوں نے یوں کیا کہ ۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی!

توجب ایک غیر نبی نابغہ انسان کا عالم یہ ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے غور کیجئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ "مَلَکُوتَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ"[۱] کے جو مشاہدات کراتا رہا ہے' اور سب سے بڑھ کر یہ کہ "مَا اَرَاکَ اللّٰہُ"[۲] اور "اَرَیْنَاکَ"[۳] کا جو معاملہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رہا اس کی بناء پر جو پیشینگوئیاں آپؐ نے مستقبل کے حوادث و واقعات کے ضمن میں کی ہیں ان کے حتمی اور قطعی ہونے میں کسی شک کا کوئی امکان کسی مدعیٔ ایمان کے لئے کیسے ممکن ہے؟ لیکن افسوس کہ عہدِ حاضر میں مادیت اور مادہ پرستی کی جو ہوائیں چلیں اور ان کے باعث جو نظریاتی اور اعتقادی فتنے خود مسلمانوں میں پروان چڑھے ان کے زیر اثر جدید تعلیم یافتہ نسل کا ایک معتدبہ حصہ ان پیشینگوئیوں کو توجہ اور اعتناء کے لائق نہیں سمجھتا اور اس "مفتونیت" کی شدت کا عالم یہ ہے کہ اب بھی جبکہ وہ حوادث و واقعات جن کی خبر دی گئی تھی نوشتۂ دیوار کے مانند نگاہوں کے سامنے آچکے ہیں ان کو تسلیم کرنے سے اعراض ہی کی روش پر اصرار کیا جارہا ہے۔

مستقبل میں پیش آنے والے واقعات میں سے سب سے یقینی اور قطعی معاملہ تو اس دنیا کے خاتمے یعنی قیامِ قیامت کا ہے' جسے قرآن حکیم اَلسَّاعَۃ' اَلْوَاقِعَۃ' اَلْقَارِعَۃ' اور اَلْحَاقَّۃ ایسے ناموں سے موسوم کرتا ہے اور جس کا کسی نہ کسی انداز میں ذکر قرآن مجید کے ہر صفحے پر موجود ہے۔ چنانچہ اس کی تصدیق تو اسلام اور ایمان کے بنیادی لوازم میں شامل ہے۔ تاہم اب سے تقریباً سوا سو برس قبل جو نئی "سائنٹیفک عقلیت" عالمِ اسلام پر حملہ آور ہوئی تھی' جس کی اساس نیوٹن کی فزکس پر تھی' اس نے قیامِ قیامت کو بھی موہوم اور مشکوک بنادیا تھا۔ اس لئے کہ اس دور کی فزکس کے مطابق مادہ حقیقی بھی تھا اور دائمی و غیرفانی بھی۔ چنانچہ یہ

۱۔ سورۃ الانعام' آیت ۷۵
۲۔ سورۃ النساء' آیت ۱۰۵
۳۔ سورۃ بنی اسرائیل' آیت ۶۰

تصور عام تھا کہ کائنات ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ باقی رہے گی۔ یہ تو بھلا ہو آئن سٹائن اور اس کے بعد کے علماء طبیعیات کا جن کے انقلاب آفریں انکشافات کے نتیجے میں مادہ بھی تحلیل ہو کر صرف انرجی کی صورت اختیار کر گیا اور کائنات کے بارے میں بھی یہ حقائق تسلیم کر لئے گئے کہ یہ ایک خاص لمحے میں ایک "عظیم دھماکے" (Big Bang) کے نتیجے میں وجود میں آئی تھی (جو گویا اللہ تعالیٰ کے امرِ "کُن" کی تعبیر ہے) اور ایک پھلجڑی کے مانند چکر لگاتی ہوئی مسلسل کھل اور پھیل رہی ہے۔ اور ایک خاص مدت کے بعد واپس برعکس سمت میں چکر لگاتی ہوئی تنگ ہوتے ہوتے بالآخر ایک نقطہ کی صورت اختیار کر لے گی' جیسے کہ متعدد کہکشائیں پہلے ہی "سیاہ سوراخوں" (Black Holes) کی صورت اختیار کر چکی ہیں۔ چنانچہ چند ہی سال قبل ایک پاکستانی ماہر طبیعیات چوہدری بشیرالدین نے ایک کتاب بھی طبیعیاتِ قیامت کے موضوع پر "Mechanics of the Doomsday" کے نام سے تصنیف کردی ہے[۴] جس میں واضح کر دیا ہے کہ پوری کائنات کی بڑی اور آخری قیامت سے قبل' جو ہو سکتا ہے کہ ابھی کافی دور ہو' اس کے جس حصے میں ہماری زمین واقع ہوئی ہے اس کی چھوٹی اور محدود قیامت واقع ہو سکتی ہے' اور کوئی عجب نہیں کہ وہ قریب ہی ہو۔ (جگر مراد آبادی نے تو نہ معلوم کس کیفیت میں یہ شعر کہا تھا:۔ "اربابِ ستم کی خدمت میں اتنی ہی گزارش ہے میری ـــ دنیا سے قیامت دور سہی' دنیا کی قیامت دور نہیں!" لیکن اس میں ہو سکتا ہے کہ کچھ "توارد" متذکرہ بالا نظریئے کے ساتھ بھی ہو گیا ہو۔)

بہرحال ایمان کے نقطۂ نظر سے تو اصل اہمیت قیامت کے قُرب یا بُعد اور اس کی "میکنکس" اور جزوی یا کلی ہونے کی نہیں اس کے "یقینی" ہونے کی ہے' اور انسان کی فوز و فلاح کے نقطۂ نظر سے اس سے بھی زیادہ اہمیت کا معاملہ "بعث بعد الموت" یعنی موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے اور جزا و سزا پر یقین کا ہے۔ اسی طرح ہماری اِس وقت کی بحث اور گفتگو کے اعتبار سے اصل اہمیت اس امر کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قیامت کی جو علامات بتائی ہیں ان کے اعتبار سے اب یہ معاملہ زیادہ دیر اور دور کا نظر نہیں آتا۔ چنانچہ سب سے پہلے تو آپ

۴۔ شائع کردہ: "ہولی قرآن ریسرچ فاؤنڈیشن" ۶۰۔بی ناظم الدین روڈ' اسلام آباد

ﷺ نے خود اپنی بعثت کو قربِ قیامت کی علامت قرار دیا اس لئے کہ آپ ﷺ اللہ کے آخری نبی اور رسولؐ ہیں اور آپ ﷺ کے بعد اب کسی نبی یا رسول کو نہیں، قیامت ہی کو آنا ہے۔ چنانچہ بخاریؒ اور مسلمؒ دونوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں کو جوڑ کر فرمایا: میری "بعثت اور قیامت آپس میں ایسے ملی ہوئی ہیں جیسے یہ دونوں انگلیاں!" اور اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں آپ ﷺ نے یہی بات ان الفاظ میں فرمائی جو ترمذیؒ نے مستور ابن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت کئے ہیں، یعنی: "میں تو گویا عین قیامت ہی میں مبعوث کیا گیا ہوں اور میں نے اس سے صرف اتنی ہی سبقت کی ہے جتنی درمیانی انگلی انگشت شہادت سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے" ------ اور سرِدست ان خالص معجزانہ اور خرقِ عادت واقعات سے قطع نظر جو عین وقوعِ قیامت سے متصلاً قبل پیش آئیں گے، قربِ قیامت کی بعض اہم علامات کا تعلق صحرائے عرب اور اس کے بادیہ نشینوں کی اس حیرت ناک خوشحالی سے ہے جو آج سے سو سال قبل کسی کے وہم و گمان میں بھی آنی ممکن نہیں تھی۔ چنانچہ (۱) اس "حدیثِ جبرائیلؑ" میں جو "اُمُّ السُّنَّہ" یعنی حدیثِ رسول ﷺ کے ذخیرے میں اسی مقام و مرتبے کی حامل قرار دی جاتی ہے جو قرآن حکیم میں سورۃ الفاتحہ کا ہے، اور جو صحیح بخاریؒ اور صحیح مسلمؒ کے علاوہ جملہ کتبِ حدیث میں متعدد جلیل القدر صحابہؓ سے مروی ہے، قربِ قیامت کی ایک اہم علامت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے کہ: "تم دیکھو کہ وہ مفلوک الحال چرواہے جو کبھی ننگے پیر اور ننگے بدن ہوا کرتے تھے عالی شان عمارتوں کی بلندی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے ہوں!" (۲) امام مسلمؒ نے جو حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس میں قربِ قیامت کی علامت ان الفاظ میں وارد ہوئی ہے کہ: "دولت اتنی کثیر اور عام ہو جائے گی کہ ایک شخص اپنی زکوٰۃ نکالے گا لیکن اس کا قبول کرنے والا کوئی نہ ہو گا (سعودی عرب، کویت اور متحدہ امارات کے مقامی باشندوں کی حد تک یہ صورتِ حال فی الواقع پیدا ہو چکی ہے) اور عرب کی زمین سبزہ زاروں اور چشموں کا منظر پیش کرنے لگے گی!" اور (۳) سب سے بڑھ کر وہ حدیث جو امام مسلمؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت کی ہے، جس کی رو سے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "قیامت قائم نہیں ہو گی جب تک فرات سے سونے کا ایک پہاڑ برآمد نہ ہو جائے جس پر لوگ ایک دوسرے سے

جنگ کریں گے یہاں تک کہ ننانوے فیصد لوگ مارے جائیں گے"۔

ان میں سے جہاں تک پہلی دو حدیثوں کا تعلق ہے ان کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے' اس لئے کہ وہ تو خود ہی "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" کی مصداقِ کامل ہیں البتہ تیسری حدیث پر غور کے ضمن میں یہ چند امور پیش نظر رکھنے ضروری ہیں: (i) قدیم زمانے میں ملکوں کو دریاؤں کے نام سے موسوم کرنے کا رواج تھا۔ چنانچہ یہاں فرات سے مراد عراق اور کویت ہیں۔ (ii) آج کے صنعتی دور میں سب سے زیادہ قیمتی متاع تیل ہے' جسے بجا طور پر "سیال سونا" کہا جاتا ہے۔ (iii) کوئی عجب نہیں کہ تیل کے وہ زیر زمین اور زیر سمندر سوتے بھی جن سے سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات تیل نکال رہے ہیں وادئ فرات ہی کی جانب سے آتے ہوں۔ (iv) اس تیل کی دولت پر جو "جنگِ عظیم" شروع ہوئی ہے دو سال قبل کی خلیج کی جنگ کو اس کے صرف نقطۂ آغاز کی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ یاد ہو گا کہ اسے صدام حسین نے "اُمُّ المَحارِب" یعنی جنگوں کی ماں قرار دیا تھا۔ اور (v) اس چند روزہ "نقطۂ آغاز" کے دوران جو ناقابلِ تصور حد تک وحشیانہ بمباری عراق پر ہوئی تھی اس کے پیش نظر کون سے تعجب کی بات ہے کہ اگر جنگوں کا یہ سلسلہ آگے بڑھے تو عراق اور کویت کی تباہی اسی درجہ کی ہو جائے جو اس حدیث میں بیان ہوا ہے۔ ع "حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں"۔

الغرض' راقم کو اگرچہ ان نجومیوں کی پیشنگوئیوں اور ماہرین فلکیات کی دی ہوئی خبروں سے تو کوئی دلچسپی نہیں ہے جو دنیا کے خاتمے کو صرف قریب ہی نہیں قرار دے رہے ہیں بلکہ اس کا وقت بھی معین کر رہے ہیں (اگرچہ "قرائن کی شہادت" کے درجے میں وہ بھی قابلِ اعتناء ہیں!) لیکن ان احادیثِ نبویہ ؐ کی بناء پر جن میں سے چند کا حوالہ اوپر دیا گیا راقم کو یہ یقین حاصل ہے کہ دنیا نہایت تیز رفتاری کے ساتھ (گویا ع "دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا!" کے سے انداز میں) اپنے خاتمے کی جانب بڑھ رہی ہے۔ (لطف یہ ہے کہ زمانہ اور وقت اور واقعات و حوادث کی اس تیز رفتاری کا نقشہ بھی ایک حدیث میں نہایت خوبصورت استعاراتی زبان میں کھینچ دیا گیا ہے جسے امام ترمذیؒ نے حضرت انس ؓ سے روایت کیا ہے جس کی رو سے آنحضور ﷺ نے فرمایا: "قیامت قائم نہیں ہو گی جب تک زمانہ مختصر نہ ہو جائے' جس

کے نتیجے میں سال مہینے کے برابر نظر آنے لگے' مہینہ جمعہ (تا جمعہ یعنی ایک ہفتہ) محسوس ہونے لگے' جمعہ (یعنی ہفتہ) ایک دن کی طرح ہو جائے' دن ایک گھنٹے کے برابر محسوس ہو اور ایک گھنٹہ آگ کے ایک شعلے کی بھڑک کے مانند مختصر ہو جائے!"

جیساکہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے' وقوعِ قیامت تو چونکہ قرآن مجید کا سب سے زیادہ کثیرالذکر موضوع ہے' لہٰذا اس سے تو کسی مسلمان کو مجالِ انکار ہو ہی نہیں سکتی' قربِ قیامت کی ان علامات سے بھی جو متذکرہ بالا احادیث میں بیان ہوئی ہیں شاید ہی کوئی مسلمان اختلاف کرے۔ اِلّا یہ کہ ان کے بعض الفاظ کی تعبیر و تاویل میں کسی جزوی اختلاف کی گنجائش ہو۔ اسی طرح عین وقوع قیامت کے وقت جن واقعات و حوادث کی خبر احادیث میں دی گئی ہے وہ بھی جدید سائنسی نظریات کے پیش نظر کچھ ایسے مستبعد اور "اَن ہونے" نظر نہیں آتے' جیسے مثلاً سورج کا مغرب سے طلوع ہونا' یا زمین کا تین مقامات پر "خسف" یعنی بری طرح دھنس جانا' یا بہت عظیم آگ' یا بے پناہ دھواں! اس لئے کہ جدید طبیعیات کے نزدیک جس طرح اِس وقت کل کائنات ایک عظیم پھلجھڑی کے مانند اپنے محور پر تیزی کے ساتھ گردش کرتے ہوئے کھلتی اور پھیلتی جا رہی ہے' اسی طرح ایک وقت آئے گا کہ وہ برعکس رخ پر چکر کھاتی ہوئی سکڑتی اور سمٹتی چلی جائے گی' تو یہ کیا بعید ہے کہ اس بڑی قیامت سے قبل کی چھوٹی قیامت کے موقع پر نظامِ شمسی میں وہ اختلال پیدا ہو جائے اور زمین کی گردش ع "لوٹ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو!" کے انداز میں مغرب سے مشرق کی بجائے مشرق سے مغرب کی جانب ہو جائے جس کے نتیجے میں سورج مغرب سے طلوع ہونے لگے' مزید بر آں جیسے کہ سورۃ القیامہ کی آیات ۸ اور ۹ میں وارد ہوا ہے' چاند اور سورج یکجا ہو جائیں* اور چاند سورج میں دھنس جائے اور خود زمین پر بھی اتنے بڑے بڑے شہاب گریں کہ وہ تین جگہ سے بری طرح دھنس جائے اور اس دھنسنے کے باعث اس کے اندر کی گیس اور آگ کا طوفان ابل پڑے۔

البتہ درمیانی عرصہ کے چار عظیم واقعات کے بارے میں مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ

---

* وخسف القمر ○ وجمع الشمس والقمر ○
ترجمہ: "اور چاند بے نور ہو جائے گا۔ اور سورج اور چاند یکجا ہو جائیں گے"۔

طبقے کا تو ایک معتدبہ حصہ شکوک و تبہات میں مبتلا ہے ہی، بہت سے ایسے علماء و مفسرین بھی مذبذب اور متردد ہیں جو عہدِ حاضر (بلکہ صحیح تر الفاظ میں ماضی قریب) کی نیوٹن کی سائنس پر مبنی "عقلیت پرستی" کا شکار ہو گئے۔ ان چار عظیم واقعات کی جانب اشارات تو اگرچہ قرآن مجید میں بھی موجود ہیں لیکن ان کی تفصیلی خبریں اور پیشینگوئیاں ان احادیثِ نبویہؐ میں وارد ہوئی ہیں جو کتاب الفتن کے مختلف ابواب میں شامل ہیں۔ ان عظیم واقعات کے مابین زمانی ترتیب یہ ہے: (۱) سب سے پہلے "المَلحمۃ الکبُریٰ" یعنی تاریخ انسانی کی "عظیم ترین جنگ" جس کی جانب اشارہ سورۃ الکہف کی دوسری آیت میں "بَاسًا شَدِیدًا" کے الفاظ میں وارد ہوا ہے، لیکن جس کی تفاصیل کتب حدیث کے "باب الملاحم" میں بیان ہوئی ہیں۔ (۲) "المسیح الدَّجّال" کا خروج اور اس کے ہاتھوں مشرق وسطیٰ کے مسلمانوں کی عظیم تباہی یا بالفاظ دیگر اس کے ذریعے "اُمِّیّین" پر اللہ کے عذاب کے دورِ ثانی کی تکمیل۔ (۳) حضرت عیسیٰؑ ابن مریمؑ کا نزول اور ان کے ہاتھوں دجال کا قتل اور یہودیوں کا آخری قلع قمع یا بالفاظ دیگر اللہ کا عذابِ استیصال، چنانچہ جہاں تک نزولِ عیسیٰؑ کا تعلق ہے اس کا بھی واضح اشارہ سورۃ الزخرف کی آیت ۶۰ میں ان الفاظ میں موجود ہے کہ: "وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَۃِ" یعنی "وہ (یعنی عیسیٰؑ) ایک نشانی ہیں قیامت کی!"۔ اور بالآخر (۴) اسلام کا عالمی غلبہ اور پورے کرۂ ارضی پر خلافت علیٰ منہاج النبوت کے نظام کا قیام!

امیر تنظیم اسلامی و صدر مؤسس مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

ڈاکٹر اسرار احمد

کا

"مسلمان خواتین کے دینی فرائض"

کے عنوان سے ایک اہم خطاب

کتابچے کی صورت میں دستیاب ہے (قیمت: ۵ روپے)

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن، ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

اسلام کا عالمی غلبہ یا عالمی نظامِ خلافت کا قیام

قیامت سے قبل کے چار عظیم واقعات میں سے جہاں تک آخری یعنی اسلام کے عالمی غلبے کا تعلق ہے، اگرچہ اس کی کوئی قطعی نص تو، کم از کم راقم کے علم کی حد تک، قرآن حکیم میں موجود نہیں ہے، تاہم منطق کے اس قضیئے کے صغریٰ اور کبریٰ دونوں قرآن مجید میں بہ تکرار و اعادہ وارد ہوئے ہیں جس کا لازمی نتیجہ دینِ حق کا عالمی غلبہ ہے۔ چنانچہ تین بار قرآن حکیم میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ[1] یعنی "وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (محمد ﷺ) کو الہدیٰ (قرآن حکیم) اور دینِ حق (اسلام) دے کر تاکہ غالب کردے اسے کُل کے کُل دین (نظام زندگی) پر!" اور دو مرتبہ ذرا سے لفظی فرق کے ساتھ یہ[2] الفاظ بھی وارد ہوئے کہ: "یہ لوگ (اور یہاں اصلاً مراد یہود ہیں، اس لئے کہ دونوں مقامات پر متصلاً قبل یہود ہی کا ذکر ہے) چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں (کی پھونکوں) سے بجھادیں جبکہ اللہ اپنے نور کو لازماً مکمل فرماکر رہے گا، خواہ یہ ان کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو!" گویا ان پانچ آیات پر مشتمل تو صغریٰ ہے، اور کبریٰ یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کی بعثت پوری نوعِ انسانی اور کُل عالمِ انسانیت کی جانب ہے اور حسنِ اتفاق سے یہ مضمون بھی قرآن حکیم میں قدرے مختلف الفاظ میں پانچ ہی بار وارد ہوا ہے۔ یعنی: (۱) "ہم نے نہیں بھیجا ہے (اے نبی ﷺ) آپ کو مگر تمام انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر"[3] (۲) "ہم نے نہیں بھیجا ہے آپ کو مگر تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر"[4] (۳) "بڑی بابرکت ہے وہ ہستی جس نے اپنے بندے پر الفرقان نازل فرمایا تاکہ وہ

۱۔ سورۃ التوبہ آیت ۳۳، سورۃ الفتح آیت ۲۸، سورۃ الصف آیت ۹

۲۔ سورۃ التوبہ آیت ۳۲ اور سورۃ الصف آیت ۸

۳۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا: ۲۸)

۴۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (الانبیاء: ۱۰۷)

تمام جہان والوں کو خبردار کرنے والا بن جائےؐ!" (۴) سورۃ الجمعہ کی آیات ۲ اور ۳ میں فرمایا کہ آپؐ کی بعثت صرف "اُمّیین" یعنی عربوں ہی کے لئے نہیں "آخرین" یعنی دوسروں کے لئے بھی ہے! اور (۵) سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۸ میں آپ کو حکم دیا گیا: "کہہ دیجئے کہ لوگو! میں تم سب کی جانب اللہ کا رسول ہوںؐ!" ---- اب صغریٰ اور کبریٰ کو جمع کر لیجئے تو یہ لازمی منطقی نتیجہ برآمد ہو جاتا ہے کہ آپؐ کی بعثت کا مقصد بہ تمام و کمال اسی وقت پورا ہو گا جب پورے عالم انسانی یعنی کل روئے ارضی پر آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کا حتمی غلبہ ہو جائے گا۔ گویا بقول اقبال ۔

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے!

رہیں احادیثِ نبویہ تو ان میں تو یہ خبر نہایت وضاحت اور صراحت کے ساتھ دی گئی ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ چنانچہ ان میں سے ایک حدیثِ مبارک تو وہ ہے جس کی رو سے دنیا میں وہ نظام ایک بار پھر قائم ہو کر رہے گا جو آپ ﷺ کے زمانے میں قائم ہوا تھا اور آپؐ کے انتقال کے بعد بھی کم از کم تیس برس تک اپنی کامل اور آئیڈیل صورت میں برقرار رہا۔ اسے امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کے مطابق آنحضور ﷺ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: "تمہارے مابین نبوت موجود رہے گی (آپؐ کا اشارہ خود اپنی ذاتِ اقدسؐ کی جانب تھا) جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ چاہے گا اسے اٹھا لے گا۔ اس کے بعد نبوت کے طریقے پر خلافت قائم ہو گی اور یہ بھی رہے گی جب تک اللہ چاہے گا کہ قائم رہے، پھر جب اللہ چاہے گا اسے بھی اٹھا لے گا۔ پھر کاٹ کھانے والی (یعنی ظالم) ملوکیت آئے گی اور وہ بھی رہے گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ چاہے گا اسے بھی اٹھا لے گا۔ پھر مجبوری کی ملوکیت (غالباً مراد ہے مغربی استعمار کی غلامی) کا دور آئے گا اور وہ بھی رہے گا جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ چاہے گا اسے بھی اٹھا لے گا ---- اور پھر دوبارہ

۵۔ تَبَارَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ○ (الفرقان:۱)
۶۔ قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف:۱۵۸)

نبوت کے طریق پر خلافت قائم ہوگی!" راوی کے قول کے مطابق اس کے بعد آپؐ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ (اور آپؐ کی یہ خاموشی بھی بلاسبب نہ تھی، تاہم اس کا بیان بعد میں ہو گا)۔ اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں صراحت ہے کہ جب وہ نظام دنیا میں دوبارہ قائم ہو جائے گا تو آسمان بھی اپنی ساری برکات نازل فرما دے گا اور زمین بھی اپنی تمام برکتیں باہر نکال کر رکھ دے گی۔ (چنانچہ بعض دوسری احادیث میں ان برکات کی تفصیلات بھی بیان ہوئی ہیں)

پھر دو نہایت اہم احادیث وہ ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اب جو خلافت علیٰ منہاج النبوت کا نظام قائم ہو گا وہ پورے عالم انسانیت اور کل روئے ارضی کو محیط ہو گا۔ چنانچہ (۱) صحیح مسلم" میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ (جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے) سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ نے میرے لئے پوری زمین کو سمیٹ یا سکیڑ دیا۔ چنانچہ میں نے اس کے سارے مشرق بھی دیکھ لئے اور تمام مغرب بھی، اور سن رکھو کہ میری امت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہو کر رہے گی جو مجھے سکیڑ یا لپیٹ کر دکھا دیئے گئے!" اور (۲) مسند احمد ابن حنبل" میں حضرت مقداد ابن الاسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کُل روئے ارضی پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر باقی رہے گا نہ اونٹ کے بالوں کے کمبلوں سے بنا ہوا خیمہ جس میں اللہ کلمۂ اسلام کو داخل نہ کر دے، خواہ کسی عزت کے مستحق کے اعزاز کے ساتھ اور خواہ کسی مغلوب کی مغلوبیت کے ذریعے۔ یعنی یا تو اللہ انہیں عزت دے گا اور اہل اسلام میں شامل کر دے گا یا انہیں مغلوب کر دے گا چنانچہ وہ اسلام کی بالادستی قبول کر لیں گے!" حضرت مقداد فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ "تب وہ بات پوری ہوگی (جو سورۃ الانفال کی آیت ۳۹ میں وارد ہوئی ہے) کہ دین کُل کا کُل اللہ ہی کے لئے ہو جائے!"

الغرض، قیامِ قیامت اور دنیا کے خاتمے سے قبل کل روئے ارضی پر وہ دورِ سعادت یقیناً آکر رہے گا جس میں "اللہ ایمان اور عملِ صالح کی شرائط پوری کرنے والے مسلمانوں کو لازماً زمین کی خلافت اسی طرح عطا فرمائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو (مثلاً حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کو) عطا کی تھی، اور ان کے لئے ان کے اس دین کو زمین میں لازماً تمکن عطا فرما دے گا جسے اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے، اور ان کی خوف زدگی کی کیفیت کو لازماً امن

وسکون کی حالت سے تبدیل کردے گا!"..... چنانچہ اسی کی کوئی جھلک دیکھ لی تھی عہد حاضر کے وژنری، عبقری اور نابغہ انسان علامہ اقبال کی "نگاہِ تیز" نے جب انہوں نے کہا تھا:

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہوجائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہوجائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے!

اور اس میں بھی ہرگز کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ اس دورِ سعادت کی نوید ہندو دھرم کی کتابوں میں بھی موجود ہے، اس لئے کہ جیسے کہ اس سے قبل عرض کیا جاچکا ہے، دنیا کے تمام مذاہب اسلام ہی کی بدلی اور بگڑی ہوئی صورتیں ہیں، چنانچہ ان سب میں مشکوٰۃِ نبوت کے انوار کا کچھ نہ کچھ حصہ موجود اور برقرار ہے۔ چنانچہ پنڈت شری رام اچاریہ اپنی تحریر شائع شدہ "اکھنڈ جیوتی" بابت مارچ ۱۹۸۱ء میں لکھتے ہیں: "ایسے ثبوت موجود ہیں کہ یُگ بدلنے کا وقت آگیا ہے۔ کَل یُگ (جسے عرفِ عام میں کلجگ کہہ دیا جاتا ہے) اب وداع ہو رہا ہے اور اس کی جگہ پر ایسا دور آرہا ہے جسے سَت یُگ (یعنی سچا زمانہ یا برحق زمانہ) کہا جاسکے۔ منوسمرتی، لنگ پران اور بھاگوت میں دیئے گئے اعداد و شمار کے مطابق حساب پھیلانے سے پتہ چلتا ہے کہ موجودہ دور بحران کا دور ہے..... ان سب اعداد و شمار کو دیکھتے ہوئے وہ وقت ٹھیک ان ہی دنوں میں ہے جس میں یگ بدلنا چاہئے..... یعنی ۱۹۸۰ء سے ۲۰۰۰ء تک بیس سال کا عرصہ"۔

۷۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (النور:۵۵)

(بحوالہ "اگر اب بھی نہ جاگے تو....." تالیف مولانا شمس نوید عثمانی، شائع کردہ: روشنی پبلشنگ ہاؤس، بازار نصراللہ خاں، رام پور۔ یوپی۔ بھارت) ..... تو اِس وقت اِس امر سے تو بحث نہیں ہے کہ پنڈت جی کا حساب کتاب صحیح ہے یا نہیں لیکن اس میں بھی ہرگز کوئی شک نہیں ہے کہ دورِ سعادت کی یہ نوید اور خوشخبری قرآن حکیم کے اشارات (گویا دلالۃ النّص) اور حدیثِ نبویؐ کی تصریحات (گویا صراحۃ النّص) کے عین مطابق ہے۔ اس پر مزید اضافہ فرمالیجئے اس کا کہ حضرت مسیحؑ کی آمدِ ثانی جو عیسائیوں کے جملہ فرقوں کا متفق علیہ عقیدہ ہے، زمین پر "آسمانی بادشاہت" اور "خدائی عدالت" کے قیام ہی کے لئے ہوگی۔ گویا ع "متفق گردید رائے بوعلی بارائے من!" کے مصداق اسلام کے نظامِ عدل و قسط یعنی خلافت علیٰ منہاج النبوت کا عالمی سطح پر قیام اپنوں اور بیگانوں سب کے نزدیک مسلّم ہے اور گویا تقدیرِ مبرم کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس موقع پر اس امر کا تذکرہ بھی یقیناً مفید ہوگا کہ اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "آئیڈیالوجی آف دی فیوچر" میں علامہ اقبال کے نظریۂ خودی کی خالص فلسفیانہ سطح پر مدلل ترین اور مبسوط ترین تشریح کرنے والے ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم نے قیامت سے قبل اسلام کے نظامِ عدل و قِسط کے عالمی سطح پر قیام کو نظریۂ ارتقاء کا لازمی اور منطقی نتیجہ قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک ارتقاء کی پہلی منزل خالص کیمیائی اور طبیعیاتی ارتقاء کی تھی جس کے نتیجے میں سادہ کیمیاوی عناصر نے ان پیچیدہ حیاتیاتی مرکبات کی صورت اختیار کی جن میں حیات کا ظہور ممکن ہوا۔ اس کے بعد حیاتیاتی ارتقاء کا عمل شروع ہوا جو حضرت آدمؑ کی تخلیق پر اپنے مرتبۂ کمال کو پہنچ گیا۔ پھر ذہنی اور نفسیاتی ارتقاء کا سفر شروع ہوا جو حضرت ابراہیمؑ کی ذات میں اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گیا۔ پھر سماجی اور تمدنی ارتقاء کا آغاز ہوا جو نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ اور آپؐ پر "دینِ حق" کی تکمیل اور سماجی اور تمدنی عدل و قسط کے نظام کے بالفعل قیام پر اپنے منتہائے کمال کو پہنچ گیا۔ اب ارتقاء کے اس طویل سفر کا صرف ایک ہی مرحلہ باقی ہے اور وہ ہے اس نظام کے عالمی سطح پر قیام کا..... اس کے بعد چونکہ موجودہ تخلیق جن اصول و قواعد اور حدود و قیود کے ساتھ ہوئی ہے ان میں ارتقاء کی کوئی اور جہت اور سمت ممکن نہیں ہے لہٰذا اس کی بساط لپیٹ دی جائے گی۔ اور اسی کا نام قیامت ہے! گویا قیامت سے قبل محمد ﷺ پر کامل ہونے والے دینِ حق کا پورے عالمِ انسانی اور کل روئے ارضی پر غلبہ سفرِ ارتقاء کی وہ آخری اور لازمی منزل

ہے جس کی جانب وہ کاروانِ انسانیت کشاں کشاں رواں ہے جس کے بارے میں علامہ اقبال نے بالکل بجاطور پر کہا تھا۔

یا ز نورِ مصطفیٰؐ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰؐ ست!

البتہ ایک اور خبر جو بعض دوسری احادیث میں وارد ہوئی ہے، یہ ہے کہ "ہر کمالے را زوالے" کے مطابق اس دورِ سعادت کے بعد بھی ایک ایسا دور آئے گا جس میں پوری زمین پر ایک انسان بھی اللہ اللہ کہنے والا باقی نہیں رہے گا (مسلمؒ عن انس رضی اللہ عنہ) اور دنیا میں صرف "بدترین خلائق" ہی رہ جائیں گے (مسلمؒ عن عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ) چنانچہ قیامت ان ہی پر قائم ہوگی۔ یہ غالباً اس لئے ہوگا کہ صاحب ایمان اور نیک بندوں کو قیامت کی ہولناکیوں اور سختیوں سے بچالیا جائے۔ چنانچہ صحیح مسلمؒ ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس مضمون کی احادیث مروی ہیں کہ جب خلافت علیٰ منہاج النبوت کا وہ دورِ سعادت جتنا عرصہ اللہ چاہے گا قائم رہ چکے گا تو دفعۃً ایک پاک اور ٹھنڈی ہوا ایسی چلے گی جس سے ہر وہ شخص موت کی نیند سو جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو گا ---- چنانچہ اس کے بعد دنیا میں صرف بے ایمان اور بدکار لوگ ہی باقی رہ جائیں گے اور وہی جہنم کے اخروی عذاب سے قبل ہولناک زلزلۂ قیامت[۸] کی سختیاں بھی جھیلیں گے! ---- اور یہی سبب معلوم ہوتا ہے اس سکوت اور توقف کا جو حضرت نعمان ابن بشیرؓ کی روایت کے مطابق آنحضور ﷺ نے دوسری بار "خلافت علیٰ منہاج النبوت" کے قیام کی نوید کے بعد اختیار فرمایا تھا۔ یعنی اس دورِ سعادت کے تذکرے کے فوراً بعد آپ ﷺ نے اس دورِ نحوست کا ذکر مناسب نہیں خیال فرمایا۔ واللہ اعلم!

اب جہاں تک ان عظیم حوادث و واقعات کا تعلق ہے جو اسلام کے عالمی غلبہ سے قبل پیش آنے والے ہیں یعنی ایک عظیم اور نہایت ہولناک اور تباہ کن جنگ، دجال کا خروج، حضرت عیسیٰؑ کا نزول، اور ان کے ہاتھوں دجال کا قتل اور یہودیوں کا استیصال، جن کا ذکر پہلے کیا

۸۔ اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ○ (الحج: ۱)

جاچکا ہے' اور ان کے علاوہ' بلکہ ان ہی کے ذیل میں یاجوج ماجوج کا سیلاب' بعثتِ مہدیؑ اور "دابّۃ الارض" کا ظہور وغیرہ تو واقعہ یہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کی اکثریت تو ان کا ذکر بھی پسند نہیں کرتی' رہے علماءِ دین تو ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی کے لئے ان کا انکار تو ممکن نہیں ہے' تاہم ماضی قریب کے بعض نامور علماء اور مفسرین بھی ان کے بارے میں کم از کم مذبذب اور متردد ضرور رہے ہیں اور موجودہ علماء میں سے بھی بہت سے ان کی عقلی اور سائنسی توجیہ یا استعاراتی تاویل کی جانب رجحان رکھتے ہیں۔

اس صورت حال کے بعض اسباب تو عمومی ہیں اور بعض خصوصی۔ عمومی اسباب میں سے چند یہ ہیں:

(۱) اگرچہ خالص سائنس کی دنیا میں تو نیوٹن کی طبیعیات کا دور ختم ہوچکا ہے لیکن عوامی سطح پر یورپ اور امریکہ تک میں تاحال اسی کے جامد نظریات و تصورات کا سکہ رواں ہے لہٰذا عام طبعی قوانین کے خلاف کسی بات کو تسلیم کرنے کے لئے ذہن بالعموم تیار نہیں ہیں (گذشتہ سال مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے اپنے سالانہ محاضرات قرآنی کے لئے انگلستان کے نومسلم سکالر جناب عبدالحکیم کو دعوت دی تھی جو حکمتِ تبلیغ کے تحت مغرب میں اپنا سابق نام گائی ایٹن ہی استعمال کرتے ہیں۔ اور انہوں نے بھی اپنے ایک خطبے میں اسی بات کی گواہی دی تھی کہ یورپ اور امریکہ کے اکثر لوگ تاحال ذہنی اعتبار سے نیوٹونین فزکس ہی کے دور میں جی رہے ہیں۔)

(۲) عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اس قسم کی باتوں پر توجہ سے جذبۂ عمل کمزور پڑ جاتا ہے' اور ذہنی اور نفسیاتی طور پر لوگ کسی "مَردے از غیب" کے انتظار کی کیفیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور یہ بات خام اور نیم پختہ اذہان کے اعتبار سے درست بھی ہے!

(۳) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان ہی چیزوں کا سہارا لے کر امت کی تاریخ کے دوران مختلف مواقع پر شہرت و عزت اور نام و نمود کے خواہاں حوصلہ مند لوگ مختلف دعوے کر کے عوام کے دین و ایمان کے لئے فتنہ کا سامان فراہم کرتے رہے ہیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ تاریخی اعتبار سے یہ بات درست نہیں!

ان پر مستزاد ہیں وہ دو خصوصی اسباب جن کا تعلق ان دو فتنوں سے ہے جو گذشتہ صدی

کے اواخر میں سائنسی عقلیت کے دور کے آغاز کے ساتھ ہی پیدا ہوئے اور تاحال پروان چڑھ رہے ہیں۔ یعنی (۱) فتنہ قادیانیت اور (۲) فتنہ استخفاف و انکارِ حدیث۔ ان میں سے مؤخر الذکر نے جدید تعلیم یافتہ لوگوں کی اکثریت کے ذہنوں میں حدیثِ نبوی ؐ کی وقعت و اہمیت کو کم کر دیا ہے۔ چنانچہ جن لوگوں کے اذہان اس فتنے سے زیادہ مسموم ہیں وہ تو حدیثِ نبویؐ کی حجیت کا صریح انکار کر دیتے ہیں' باقی بھی عملاً اس کی جانب سے "غضِ بصر" اور صرفِ نظر کی روش اختیار کئے ہوئے ہیں۔ رہا مقدم الذکر فتنہ تو اس کے بانی اور مؤسس نے تو اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ غضب ڈھایا کہ نہ صرف خود مجدد اور مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا بلکہ۔

"آنے والے سے مسیحِ ناصری " مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں فرزندِ مریم کی صفات"

کی بحث چھیڑ کر اور پھر خود ہی کو مثیلِ مسیحؑ اور مسیحؑ موعود قرار دے کر نزولِ مسیحؑ کا باب ہی بند کر دیا۔ (جس کے لئے "رفعِ مسیحؑ" کا انکار بھی لامحالہ ضروری تھا!)

لیکن اس حقیقت سے قطع نظر کہ ان واقعات و حوادث کے سلسلے کی پہلی کڑی یعنی ایسی ہولناک اور تباہ کن جنگ جس کا میدان مشرق وسطٰی کے عرب ممالک بنیں گے اب بالکل نوشتہ دیوار کے مانند سامنے کی بات ہے' اور ساتھ ہی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے کہ جہاں تک ان واقعات و حوادث کی ان تفاصیل کا تعلق ہے جو احادیث میں وارد ہوئی ہیں ان میں یقیناً استعاراتی زبان بھی استعمال ہوئی ہے اس لئے کہ اب سے چودہ سو برس قبل آج کے سلاحِ جنگ اور ذرائع رسل و رسائل کا بیان اسی طور سے ممکن تھا' اور مختلف راویوں کی روایات میں لفظی فرق اور زمانی ترتیب کا گڈمڈ ہو جانا بھی عین قرین قیاس ہے' جہاں تک ان کے مجموعی خاکے کا تعلق ہے' راقم اپنے مطالعہ اور فہم القرآن کی بناء پر پورے انشراحِ صدر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ وہ قرآن کے فلسفہ و حکمت کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ اور بالخصوص قرآن کے اس قانونِ عذاب کے عین مطابق ہے جو صفحاتِ گزشتہ میں بیان ہو چکا ہے۔

ملّتِ اسلامیہ پاکستان کی خصوصی ذمّہ داری

اگرچہ بعض لوگوں کا خیال تو یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی کُل تعداد پونے دو ارب تک پہنچ چکی ہے، تاہم محتاط اندازوں کے مطابق بھی یہ تعداد سوا ارب کے لگ بھگ یعنی ایک سو بیس اور ایک سو تیس کروڑ کے مابین ضرور ہے۔

سورۃ الجمعہ کی دوسری اور تیسری آیات کی رو سے تو یہ امت صرف دو حصوں میں منقسم ہے۔ یعنی ایک "اُمّی" عرب جن کو بقیہ تمام مسلمانوں پر مطلق فضیلت اولاً اس بناء پر حاصل تھی کہ خود نبی اکرم ﷺ بھی ان ہی میں سے تھے۔ اور ثانیاً اس بناء پر کہ ان ہی کی جانب آپؐ کی خصوصی بعثت تھی۔ چنانچہ ان ہی کی زبان میں اللہ کا آخری پیغام اور کامل ہدایت نامہ نازل ہوا۔ اور دوسرے "آخرین" یعنی بقیہ تمام نسلوں اور قوموں سے تعلق رکھنے والے مسلمان جو وقتاً فوقتاً امتِ محمد ﷺ میں شامل ہو کر اس کی عمومی فضیلت میں شریک ہوتے چلے گئے۔ لیکن موجودہ حالات میں یہ امت تین حصوں میں منقسم قرار دی جاسکتی ہے یعنی:

(۱) مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ کے ان ممالک کے لوگ جن کی مادری زبان عربی بن چکی ہے۔ یہ تعداد میں لگ بھگ بیس کروڑ گویا کُل امت کا چھٹا حصہ ہیں۔ (۲) سابق برِعظیم ہند، اور موجودہ بھارت، پاکستان اور بنگلہ دیش کے وہ مسلمان جن کی مادری زبانیں اور بولیاں تو بے شمار ہیں لیکن سب کی "لنگوا فرینکا" کی حیثیت اردو کو حاصل ہے۔ یہ تعداد میں لگ بھگ چالیس کروڑ، یعنی کل امت کا تیسرا حصہ ہیں۔ اور (۳) باقی پوری دنیا میں پھیلے ہوئے مسلمان جن کی مجموعی تعداد ساٹھ کروڑ کے قریب ہے اور اس طرح وہ پوری امت کی مجموعی تعداد کا نصف ہیں۔ ان میں سے ایک تہائی کے لگ بھگ تو صرف انڈونیشیا اور ملائیشیا میں آباد ہیں، باقی دو تہائی میں ترکی، ایران اور افغانستان ایسے خالص اور قدیم مسلمان ممالک کے علاوہ مغربی اور وسطی افریقہ کے ممالک اور سابق روسی ترکستان اور چینی ترکستان میں آباد مسلمان شامل ہیں۔

ان ایک ارب کے قریب غیر عرب مسلمانوں میں ایک اضافی درجۂ فضیلت گزشتہ چار سو سال سے برعظیم پاک و ہند میں آباد مسلمانوں کو حاصل رہا ہے جس کی بناء پر ع "جن کے رتبے ہیں سوا، ان کی سوا مشکل ہے!" کے مصداق اللہ کے دین، اور محمد ﷺ کی رسالت کے ضمن میں ایک خصوصی ذمہ داری کا بھاری بوجھ ان کے کندھوں پر تھا جسے تاریخ کی ایک کروٹ نے پورے کا پورا مسلمانانِ پاکستان کے کندھوں پر ڈال دیا ہے جس کا صحیح فہم و شعور ع "اپنی خودی پہچان، او غافل افغان!" کے مصداق ملت اسلامیہ پاکستان کے لئے نہایت ضروری ہے۔

سب جانتے ہیں کہ فضل یا فضیلت خالص وہبی شے ہے اور عالمِ انسانی میں فضیلت کی اصل اساس نبوت رہی ہے۔ چنانچہ سابقہ امتِ مسلمہ یعنی بنی اسرائیل کی اس عظیم فضیلت کی بنیاد جس کا ذکر سورۃ البقرہ کی دو آیات (۴۷ اور ۱۲۲) میں ان الفاظ میں وارد ہوا کہ: "وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ" یعنی "میں نے تو تمہیں تمام جہان والوں پر فضیلت عطا فرمادی تھی!" یہی تھی کہ ان میں حضرت موسیٰؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک پورے چودہ سو برس نبوت کا سلسلہ اس طور سے جاری رہا کہ کبھی یہ تار ٹوٹا ہی نہیں! حضرت عیسیٰؑ کے بعد مسلسل چھ سو سال "فترتِ اولیٰ" کا زمانہ ہے جس کے دوران نبوت کا سلسلہ منقطع رہا اور اس کے بعد نبوت و رسالت کا ماہِ کامل یا خورشیدِ جہاں تاب محمد ﷺ کی صورت میں طلوع ہوا جن کے سر مبارک پر ختمِ نبوت اور تکمیلِ رسالت کا تاج رکھا گیا۔ چنانچہ ایک جانب آپ خود "اِنَّ فَضْلَہٗ کَانَ عَلَیْکَ کَبِیْرًا[1]" یعنی "یقیناً اللہ کا فضل آپ پر تو نہایت ہی عظیم و کبیر ہے!" کے مصداقِ کامل قرار پائے، تو دوسری جانب آپ کی امت میں شامل ہونے والے بھی، خواہ وہ "اُمّی" عربوں میں سے تھے، خواہ "آخرین" میں سے، آپ کے اس فضلِ عظیم کے وارث قرار پائے، بفحوائے: "ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ[2]" یعنی "یہ اللہ کا فضل ہے، وہ دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے!" اس لئے کہ اگرچہ آپؐ پر نبوت کا سلسلہ ختم اور منقطع ہوگیا، تاہم حسب ذیل آیات کی رو سے

---

[1] سورہ بنی اسرائیل، آیت ۸۷

[2] سورۃ الجمعہ، آیت ۴

آپؐ کی رسالت کے فرائض کی عالمی سطح پر اور تا قیامِ قیامت ادائیگی مجموعی طور پر آپؐ کی امت ہی کے حوالے کی گئی:

(۱) كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران:۱۱۰)

"تم بہترین امت ہو جسے جملہ انسانوں کے لئے برپا کیا گیا ہے۔ تمہارا کام ہی یہ ہے کہ نیکی کا حکم دو' برائیوں سے روکو اور خود اللہ پر پختہ ایمان رکھو!"

(۲) وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبَاكُمْ ...... لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (الحج:۷۸)

"اللہ کی راہ میں جہاد کرو' جتنا اور جیسا کہ اس کے لئے جہاد کا حق ہے۔ اللہ نے تمہیں منتخب فرمالیا ہے ...... تاکہ رسول (ﷺ) تم پر حجت قائم کریں اور تم پوری نوعِ انسانی پر حجت قائم کرو!"

(۳) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ:۱۴۳)

"اور اس نے تمہیں ایک امتِ وسط بنایا ہی اس لئے ہے کہ تم تمام لوگوں پر حجت قائم کرو اور ہمارے رسول (ﷺ) تم پر حجت قائم کریں"۔

اس فریضۂ رسالتِ محمدیؐ کی ادائیگی اور شہادت علی الناس کی ذمہ داری اگرچہ امت محمد ﷺ پر بحیثیتِ مجموعی ڈالی گئی ہے تاہم ع "جن کے رتبے ہیں سوا' ان کی سوا مشکل ہے!" اور ؎

"نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد!"

کے مصداق' اور اللہ تعالیٰ کے اس ابدی قانون کے مطابق کہ "اللہ ہر ایک پر ذمہ داری کا بوجھ اس کی وسعت کے مطابق ہی ڈالتا ہے!" جو قرآن حکیم میں متعدد بار بیان ہوا ہے[۳۵]' اس عظیم

---

۳۵ جیسے مثلاً سورۃ البقرہ: ۲۳۳ اور ۲۸۶' سورۃ الانعام: ۱۵۲' سورۃ الاعراف: ۴۲ اور سورۃ المومنون: ۶۲

ذمہ داری کا سب سے زیادہ بوجھ ان لوگوں پر ہے جن کی مادری زبان عربی ہے 'لہٰذا انہیں قرآن حکیم کو سمجھنے کے لئے کسی اضافی محنت اور مشقت کی ضرورت نہیں ہے! اور ظاہر ہے کہ قرآن حکیم ہی نبوت کے اس سلسلے کا اصل قائم مقام ہے جو نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارک پر ختم اور منقطع ہو چکا ہے۔

تاہم ختم نبوت سے جو خلا پیدا ہوا اس کو پُر کرنے کی ایک اضافی تدبیر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ کے تحت یہ اختیار فرمائی کہ ایک جانب مجددین کا سلسلہ جاری فرمایا جو وقتاً فوقتاً دین کی اصل تعلیمات اور اللہ کی اصل ہدایت کو از سرِ نو نکھار کر پیش کرتے رہے۔ اور دوسری جانب یہ ضمانت دے دی کہ "اس امت میں ہمیشہ کم از کم ایک گروہ یا جماعت ضرور حق پر قائم رہے گی" (بخاریؒ و مسلمؒ عن معاویہؓ) اور یہ دونوں امر اس اعتبار سے باہم لازم و ملزوم ہیں کہ بالکل فطری اور منطقی طور پر ہر مجدد کی تعلیمات اور مساعی کے نتیجے میں لامحالہ ایک حلقہ یا گروہ ایسا وجود میں آتا رہا جو دینِ حق کی اصل تعلیمات کا علمبردار اور اپنے وجود کے اعتبار سے کم از کم ذاتی زندگی اور انفرادی سیرت و کردار کی حد تک اسلام کی حقیقی تعلیمات کا نمونہ اور آئینہ دار بن گیا۔ اگرچہ دنیا کے اس طبعی قانون کے مطابق کہ ہر جوانی پر لازماً بڑھاپا بھی آکر رہتا ہے اور ہر کمال کو بالآخر زوال سے دوچار ہونا ہی پڑتا ہے یہ حلقہ یا گروہ یا جماعت دوسری یا تیسری یا زیادہ سے زیادہ چوتھی نسل تک پہنچ کر لازماً ایک تقلیدی اور موروثی "فرقہ" بن جاتا رہا۔ اور اس طرح ایک نئے مجدد کی ضرورت پیش آتی رہی جس کے زیر اثر ایک نئی جمعیت یا جماعت وجود میں آئے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیثِ نبویؐ میں مجددین کے ضمن میں سو سو سال کے وقفے کا ذکر ہے 'یعنی : "اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر سو سال کے سرے پر ایسے لوگوں کو اٹھاتا رہے گا جو دین کی تجدید کرتے رہیں گے یعنی اسے تازہ کرتے رہیں گے"۔ (ابو داؤدؒ عن ابی ہریرہؓ)

بہرحال ان مجددینِ امت اور ان کے تلامذہ اور متبعین کی مساعی کے نتیجے میں دینِ حق کی تعلیمات گذشتہ چودہ سو سال کے دوران اسی طرح منتقل ہوتی چلی آئیں جس طرح اولمپک ٹارچ (مشعل) ایک کھلاڑی سے دوسرے کھلاڑی کو منتقل ہوتی رہتی ہے یا شیر شاہ سوری کے زمانے میں ڈھاکہ سے پشاور تک ڈاک کے تھیلے ہر تین میل کے بعد ایک گھڑ سوار سے دوسرے کو منتقل ہوتے رہتے تھے!

اور اب اس پس منظر میں مشاہدہ فرمایئے اس عظیم حقیقت کا کہ پورے ایک ہزار برس تک مجددین کا یہ سلسلہ عالمِ عرب ہی میں جاری رہا۔ چنانچہ حضرت عمرابن عبدالعزیزؒ اور حضرت حسن بصریؒ سے امام غزالیؒ اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ تک پورے سات سو برس کے عرصے میں تمام مشاہیر علماء' ائمہ ہدایت اور مجددینِ امت عالمِ عرب ہی میں پیدا ہوتے رہے۔ لیکن فتنۂ تاتار کے دوران جبکہ وسطی اور مغربی ایشیا شورش و ہلاکت اور تباہی و بربادی کا شکار ہوئے اسلام کی علمی اور روحانی وراثت تدریجاً سرزمینِ ہند کو منتقل ہوتی چلی گئی تاآنکہ جیسے ہی امت کی تاریخ کے "الفِ ثانی" یعنی دوسرے ہزار سالہ دور کا آغاز ہوا تجدیدِ دین کا اصل مرکز ہندوستان بن گیا۔ چنانچہ گیارہویں صدی ہجری کے عظیم ترین مجدد شیخ احمد سرہندیؒ بھی یہیں پیدا ہوئے جن کے مرقد کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ ع "وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار!" اور جن کی ذات کے بارے میں فرمایا ہے کہ ع "جن کے نفسِ گرم سے ہے گرمئ احرار!" پھر بارہویں صدی ہجری کے مجددِ اعظم شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی یہیں پیدا ہوئے جو تنہا اپنی ذات میں جملہ علوم اسلامی ہی کے مجدد نہیں فکرِ اسلامی اور حکمتِ دینی کے بھی مجددِ اعظم تھے۔ پھر تیرہویں صدی ہجری میں سید احمد بریلویؒ بھی یہیں پیدا ہوئے جو بلاشبہ سلوکِ محمدی ﷺ اور جہادِ اسلامی کے مجددِ اعظم تھے اور ان کا اور ان کے ساتھی شہداء کا خون سرزمینِ بالاکوٹ میں جذب ہوا' ۔

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدند
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را!

اسی طرح چودھویں صدی ہجری (جسے ختم ہوئے ابھی صرف تیرہ برس ہوئے ہیں!) میں بھی جو اعاظم رجال سرزمینِ ہند میں پیدا ہوئے ان کی نظیر پورا عالمِ اسلام پیش کرنے سے قاصر ہے۔ چنانچہ طبقۂ علماء میں سے اسیرِ مالٹا شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ایسی عظیم شخصیت' اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں میں سے علامہ اقبال ایسا مفکرِ ملت اور حکیمِ امت' پھر مولانا محمد الیاس ایسا عظیم مبلغ اور مولانا مودودی ایسا عظیم مصنف پورے عالم اسلام میں کہیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتا! (ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ)[۲]

---

[۲] سورۃ الجمعہ' آیت ۴

الغرض گذشتہ پوری چار صدیوں کے دوران اگر دین کے علم و فکر ہی نہیں، دعوت و جہاد کی تجدید کا مرکز بھی ہندوستان بنا رہا تو ظاہر ہے کہ یہ مشیتِ ایزدی کے تحت ہی ہوا اور جس طرح علامہ اقبال نے کوہ ہمالیہ سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ ؏ "برف نے باندھی ہے دستارِ فضیلت تیرے سر!" اسی طرح واقعہ یہ ہے کہ "الفِ ثانی" کی ان تجدیدی مساعی نے ملتِ اسلامیہ ہندیہ کے سر پر ایک عظیم دستارِ فضیلت باندھ دی ہے جس کی بناء پر اس کی ذمہ داری بھی بقیہ پوری امتِ مسلمہ کے مقابلے میں نہایت عظیم اور گراں اور دہ چند ہی نہیں سوگنا بن گئی ہے!

اور اب توجہ فرمایئے تاریخ کی اس "کروٹ" کی جانب جس کے نتیجے میں اس عظیم ذمہ داری کا پورا بوجھ ملتِ اسلامیہ پاکستان کے کندھوں پر آگیا ہے۔ یہ کروٹ تحریک پاکستان اور اس کے نتیجے میں قیام پاکستان سے عبارت ہے، جس کا اعلانیہ مقصد اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کا قیام اور پورے عالمِ انسانیت کے سامنے اسلام کے "اصولِ حریت و اخوت و مساوات کا ایک نمونہ" پیش کرنا تھا۔ چنانچہ مفکر و مصورِ پاکستان علامہ محمد اقبال نے بھی اپنے خطبہ الٰہ آباد (۱۹۳۰ء) میں فرمایا تھا کہ: "مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں ایک آزاد مسلمان ریاست کا قیام تقدیر مبرم ہے۔ اور اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں ایک موقع مل جائے گا کہ اسلام کی اصل تعلیمات پر جو پردے عرب ملوکیت (امپیریلزم) کے دور میں پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر دوبارہ اصل اسلام کا ایک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں!" اور بانی و معمارِ پاکستان محمد علی جناح نے بھی بارہا ان ہی خیالات کا اظہار فرمایا تھا۔ اور قیام پاکستان کی صورت میں غالب اور جارح ہندو اکثریت کے ملک بھارت میں شامل رہ جانے والے علاقوں کے مسلمانوں نے بھی۔

"جو ہم پہ گزری سو گزری مگر شبِ ہجراں
ہمارے اشک تری عاقبت سنوار چلے!"

کے مصداق اس سے بالکل بے پرواہ ہو کر کہ تقسیمِ ہند کے بعد ان پر کیا بیتے گی، تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ ہی نہیں اصل فیصلہ کن کردار ادا کر کے گویا مذکورہ بالا چار صد سالہ تجدیدی مساعی کی وراثت کے ناطے جو عظیم ذمہ داری جملہ مسلمانانِ ہند پر عائد ہوتی تھی اس میں سے اپنے حصے کا "فرضِ کفایہ" ادا کر دیا، جس کی قیمت وہ تاحال مسلسل اپنے جانی ضیاع اور مالی

نقصان کی صورت میں ادا کر رہے ہیں۔ بنابریں اب اس عظیم ذمہ داری کا پورا بوجھ ملتِ اسلامیہ پاکستان کے کندھوں پر ہے۔ اور اس کی قسمت یا بد قسمتی بالکلیہ اسی کے ساتھ وابستہ ہے!

اور یہ بلاشبہ ہر باشعور پاکستانی مسلمان کے لئے اہم "لمحہ فکریہ" ہے کہ (۱) اگر وہی بنی اسرائیل جو "ہم نے تو تمہیں تمام جہان والوں پر فضیلت عطا کردی تھی!" کے مصداقِ کامل تھے' اللہ کے ساتھ کئے جانے والے قول و قرار اور عہد و میثاق سے انحراف اور اللہ کے دین اور شریعت کی غلط نمائندگی کے باعث "ان پر ذلت اور مسکنت مسلط کردی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے!" کی تصویر بن گئے' اور (۲) مسلمانانِ عرب بھی اپنی تمام تر فضیلتوں کے باوجود ان ہی جرائم کی پاداش میں اللہ کے بے لاگ عدل کے باعث معزول و معتوب ہوئے' چنانچہ اولاً اب سے ساڑھے سات سو سال قبل یعنی ۱۲۵۸ء میں سقوطِ بغداد اور خلافتِ بنو عباس کے خاتمے پر قرآن مجید میں واردشدہ پیشگی تنبیہہ "اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ"[۵] کے مطابق امتِ مسلمہ کی قیادت و سیادت سے معزول کر دیئے گئے تھے اور اب بھی ایک مغضوب اور ملعون قوم کے ہاتھوں مسلسل پٹ رہے ہیں' جس کی شدت' نبی اکرم ﷺ کی ان پیشینگوئیوں کے مطابق جن پر مفصل گفتگو اس سے قبل ہو چکی ہے' مستقبل قریب میں اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ جانے والی ہے! ----- تو "کَیْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ کَفَرْتُمْ"[۶] کے مصداق ہم اللہ کے قانونِ عذاب' اور اصولِ مکافاتِ عمل سے کیسے بچ سکیں گے!

چنانچہ ان سطور کے راقم کو پوری شدت کے ساتھ یہ احساس لاحق ہے کہ ہم بحیثیتِ ملتِ اسلامیہ پاکستان اللہ کے قانونِ عذاب کی گرفت میں آچکے ہیں۔ اور اس عظیم قانون کی اس دفعہ کے مطابق جو سورۂ سجدہ کی آیت ۲۱ میں وارد ہوئی ہے' یعنی: "ہم انہیں بڑے عذاب سے قبل چھوٹے عذاب کا مزہ ضرور چکھائیں گے' شاید کہ یہ لوٹ آئیں!" ہماری پیٹھ پر عذابِ الٰہی

---

۵ ترجمہ: "اگر تم پیٹھ پھیر لو گے تو اللہ تمہیں ہٹا کر کسی اور قوم کو لے آئے گا!" (سورۃ محمد' آیت ۳۸)

۶ ترجمہ: "تم کیونکر بچو گے اگر تم نے انکار کیا!" (سورۃ المزمل' آیت ۱۸)

کا ایک شدید کوڑا ۱۹۷۱ء میں سقوطِ ڈھاکہ، اور مشرقی پاکستان کی بنگلہ دیش کی صورت میں قلبِ ماہیت، اور سب سے بڑھ کر ایک ذلت آمیز اور عبرتناک شکست کی صورت میں پڑ چکا ہے، جس کے نتیجے میں ترانوے ہزار پاکستانی ان ہندوؤں کے قیدی بنے تھے جن پر مسلمانوں نے کہیں ہزار برس، کہیں آٹھ سو برس اور کہیں چھ سو برس حکومت کی تھی! ---- اور چونکہ ہم نے اس کے بعد سے آج تک اللہ اور اس کے دین کی جانب "رجوع" کا کوئی ثبوت نہیں دیا، لہٰذا اب "بڑے عذاب" کا کوڑا بھی ہمارے سروں پر اسی طرح تانا جا چکا ہے جس طرح کبھی حضرت یونسؑ کی قوم پر عذابِ استیصال کے آثار شروع ہو گئے تھے! (اگرچہ وہ عذاب قوم کی اجتماعی توبہ کے باعث ٹل گیا تھا۔ چنانچہ میں نے قومِ یونسؑ کی مثال اسی خیال سے دی ہے کہ شاید اللہ ملتِ اسلامیہ پاکستان کو بھی اس ہی کے مانند اجتماعی توبہ کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین، یا رب العالمین!) اور میری تشویش کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پہلے عذاب سے قبل بھی پچیس برس کی مہلت دی تھی (سقوطِ ڈھاکہ کے وقت قیامِ پاکستان پر قمری حساب سے پچیس برس بیت چکے تھے!) اور اب پھر قمری حساب سے دوسرے پچیس برس کی مہلت کے ختم ہونے میں کُل پونے تین سال باقی رہ گئے ہیں! الغرض، معاملہ وہی ہے کہ ؏

حذر اے چیرہ دستاں، سخت ہیں فطرت کی تعزیریں!

اور ؎

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
نہیں کرتی کبھی ملت کے گناہوں کو معاف!

اور ؎

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو، زمانہ چال قیامت کی چل گیا!

پاکستان کا مستقبل

اگرچہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان مبارک تو یہ ہے کہ "موت کا ذکر کثرت کے ساتھ کیا کرو' جو تمام لذتوں کا خاتمہ کر دینے والی ہے" (ترمذیؒ' نسائیؒ اور ابن ماجہؒ' عن ابی ہریرہؓ) اسی طرح آپؐ کا فرمان مبارک یہ بھی ہے کہ موت کا تذکرہ اور قرآن کی تلاوت کثرت کے ساتھ کیا کرو' چنانچہ ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ "انسانوں کے دلوں پر بھی زنگ لگ جایا کرتا ہے جیسے کہ لوہے پر زنگ لگ جاتا ہے اگر اس پر پانی پڑتا رہے!" اس پر جب آپؐ سے سوال کیا گیا کہ: "حضورؐ' یہ فرمایئے کہ پھر ان کو از سرِ نو جلا کیسے دی جائے؟" تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: "دو کام کثرت کے ساتھ کیا کرو: ایک موت کا ذکر اور دوسرے تلاوتِ قرآن!" (سنن بیہقیؒ) لیکن آج کل کے "مترفین" یعنی مرفہ الحال لوگ اور اصحابِ دولت و ثروت موت کے ذکر کو ناپسند کرتے ہیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ ہوا ایک دوست نے' جو پی آئی اے میں کام کرتے ہیں' یہ بتایا تھا کہ جب سعودی ائیرلائنز کے دیکھا دیکھی پی آئی اے کی پروازوں کے آغاز میں بھی سفر کی اس دعا کا اہتمام کیا جانے لگا جو قرآن حکیم میں وارد ہوئی ہے[1] تو بہت سے لوگوں نے باضابطہ احتجاج کیا اور زور دیا کہ اس دعا کا صرف پہلا حصہ پڑھا جائے یعنی: "سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ[2]" لیکن دوسرا حصہ نہ پڑھا جائے جس میں موت کا تذکرہ ہے یعنی: "وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ[3]" اس لئے کہ' بقول ان کے' اس طرح تو پی آئی اے گویا پرواز کے آغاز ہی میں تمام مسافروں کو موت کی جھلک دکھا دیتی ہے' جس سے قلوب اور اعصاب پر "منفی"

۱۔ سورۃ الزخرف' آیت ۱۳-۱۴

۲۔ ترجمہ: "پاک ہے وہ ہستی جس نے ہمارے لئے اس (سواری) کو مسخر فرما دیا' ورنہ ہم تو ہرگز اس لائق نہ تھے کہ اس پر قابو پا سکتے!"

۳۔ ترجمہ: "اور ہم سب بالآخر اپنے رب ہی کی جانب لوٹ جانے والے ہیں!"

اثر پڑتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن!

میں نے ابھی تک تو اس روایت کو بس ایک لطیفے ہی کے درجہ میں سمجھا تھا' لیکن حال ہی میں جب ایک اچھے بھلے معروف دانشور کی یہ بات سامنے آئی کہ قیامت کا ذکر منفی سوچ کا مظہر ہے تو ع "ہمیں یقین ہوا' ہم کو اعتبار آیا!" کے مصداق پہلی بات کا بھی "حق الیقین" حاصل ہو گیا۔ اگرچہ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس پر صدمہ کی کیفیت زیادہ ہوئی یا حیرت اور تعجب کی' کہ ایک مسلمان یہ بات کیسے کہہ سکتا ہے جبکہ قرآن مجید کا تو شاید کوئی ایک صفحہ بھی ایسا نہ ہو جس میں قیامت کا ذکر پورے شد و مد کے ساتھ نہ آیا ہو۔ بالآخر دل کو تسلی دی تو اس خیال کے ذریعے کہ شاید موصوف کی کسی لمبی تحریر کی تلخیص کسی صاحب نے کی ہو اور اس کی بنا پر یہ مغالطہ پیدا ہو گیا ہو۔ واللہ اعلم!

بہرحال' راقم الحروف اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اسے اس امر کا تو یقینِ کامل حاصل ہے ہی کہ قیامت آ کر رہے گی' جس کے نتیجے میں موجودہ عالمِ دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا' بلکہ الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ اس کا بھی "حق الیقین" حاصل ہے کہ اس کے کچھ عرصے کے بعد (جس کی مدت کا علم صرف اللہ کو ہے!) ایک نئے عالم یعنی عالمِ آخرت کی بساط بچھائی جائے گی' چنانچہ تمام انسانوں کو دوبارہ پیدا کیا جائے گا اور پھر حشر و نشر اور حساب کتاب کا معاملہ ہو گا' اور بالآخر جزا و سزا یعنی جنت یا دوزخ کے فیصلے صادر ہوں گے! جیسے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس نہایت ابتدائی دور کے خطبے میں وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا تھا' جو آپؐ نے اپنے پورے خاندان یعنی بنو ہاشم کے مجمعے میں دعوتِ طعام کے بعد' اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے دیا تھا کہ: "وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ"[1] چنانچہ آپؐ کے الفاظِ مبارک یہ تھے:

> (ترجمہ) "خدا کی قسم تم سب پر موت وارد ہو کر رہے گی جیسے کہ تم روزانہ رات کو سو جاتے ہو' پھر تم سب کو لازماً دوبارہ اٹھا لیا جائے گا جیسے کہ تم روزانہ صبح کو بیدار ہو جاتے ہو' پھر یقیناً تم سب سے حساب لیا جائے گا اس کا جو تم کر رہے ہو'

---

[1] ترجمہ: "اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کرو!" (سورۃ الشعراء' آیت ۲۱۴)

اور پھر تمہیں لازماً بدلہ مل کر رہے گا' بھلائی کا بھلا' اور برائی کا برا' اور وہ یا تو جنت ہو گی ہمیشہ کے لئے' یا پھر دوزخ کی آگ ہو گی ہمیشہ کے لئے!" (ماخوذ از "نہج البلاغہ")

البتہ اس قیامِ قیامت اور بعث بعد الموت کے ساتھ ساتھ مجھے اس کا بھی یقین حاصل ہے کہ قیامت سے قبل پورے کرۂ ارضی پر اللہ کے دین حق کا غلبہ' اور خلافت علیٰ منہاج النبوت کے نظام کا قیام لازماً واقع ہو کر رہے گا۔ چنانچہ اس کے مفصل دلائل بھی میں قرآن حکیم کی آیات سے "دلالت" کی بنیاد پر' اور احادیثِ نبویہؐ سے "صراحت" کی اساس پر دے چکا ہوں۔ اور ع "سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف!" کے مصداق قرآن و حدیث ہی بندۂ مومن کی دو آنکھیں ہیں!

متذکرہ بالا دو امور کے بارے میں تو بحمد اللہ مجھے "حق الیقین" کی کیفیت حاصل ہے' البتہ اپنی ایک تیسری رائے کے ضمن میں میں صرف گمانِ غالب اور امیدِ واثق کے الفاظ استعمال کر سکتا ہوں۔ (اگرچہ اس کی سرحدیں بھی "یقین" کے بالکل ساتھ جا ملتی ہیں!) اور وہ یہ کہ غلبۂ دینِ حق اور قیامِ نظامِ خلافت کا نقطۂ آغاز بننے کی سعادت' ان شاء اللہ العزیز' اسی ارض پاکستان اور اس سے ملحق سرزمینِ افغانستان کو حاصل ہو گی' جسے ماضی میں "خراسان" کہا جاتا تھا! میرے "اس یقین کی حد کو پہنچنے والے گمان" کی بنیاد جہاں بعض احادیثِ نبویہؐ بھی ہیں' جن کی بنا پر علامہ اقبال نے کہا تھا کہ ۔

"میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے' میرا وطن وہی ہے!"

(مثلاً سنن ابن ماجہؒ کی حضرت عبداللہ ابن حارثؓ سے روایت ہے جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مشرق کی جانب سے ایسے لوگ بر آمد ہوں گے جو علاقوں پر علاقے فتح کرتے ہوئے مہدی کی مدد یعنی ان کی حکومت کو مستحکم کرنے کے لئے پہنچیں گے" اور جامع ترمذیؒ کی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس کے مطابق آنحضور ﷺ نے فرمایا: "خراسان کے علاقے سے سیاہ جھنڈے بر آمد ہوں گے اور انہیں کوئی طاقت واپس نہیں پھیر سکے گی یہاں تک کہ وہ ایلیا یعنی بیت المقدس میں نصب کر دیئے جائیں گے" (او کما قال

صَلّی اللّٰہ علیہ وسلّم!) وہاں اس کی اصل اور محکم اساس گزشتہ چار سو سال کی تاریخ پر قائم ہے، جو گواہی دیتی ہے کہ پچھلی چار صدیوں کے دوران میں تجدیدِ دین کا سارا کام برِ عظیم پاک و ہند میں ہوا اور اس عرصے میں تمام مجددینِ اعظم اسی خطے میں پیدا ہوئے...... جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مشیتِ ایزدی اور حکمتِ خداوندی میں کوئی طویل المیعاد منصوبہ اس خطۂ ارضی کے ساتھ وابستہ ہے۔

پھر سب جانتے ہیں کہ سرزمینِ افغانستان کا ہمیشہ سے برِعظیم پاک و ہند کے ساتھ یہ "دو طرفہ تعلق" قائم رہا ہے کہ تمام فاتحین تو افغانستان سے ہندوستان کی جانب آتے رہے لیکن صرف ایک استثناء یعنی اسلام کی اولین آمد کے علاوہ تہذیب و تمدن، اور علم و حکمت کا سفر ہمیشہ ہندوستان سے افغانستان کی جانب رہا۔ چنانچہ ماضی میں بدھ مت بھی ہندوستان سے افغانستان گیا تھا، اور گذشتہ چار صدیوں کے دوران میں اسلام کی جملہ تجدیدی مساعی کے اثرات کے اعتبار سے بھی افغانستان برِعظیم پاک و ہند کے "تابع" رہا۔ جس کی نہایت نمایاں مثال یہ ہے کہ اگرچہ مسلم فاتحین کے ساتھ تو سلسلۂ چشتیہ افغانستان سے ہندوستان آیا تھا لیکن پھر الفِ ثانی کے تجدیدی کارنامے کے اثرات کی صورت میں اولاً سلسلۂ مجددیہ پہلے افغانستان اور پھر پورے ترکستان تک پہنچا اور پھر شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے مدرسہ فکر کا اثر و نفوذ بھی وسعت اور سرعت کے ساتھ ارضِ خراسان تک ممتد ہو گیا۔ اور اِس وقت ہر دیکھنے والی آنکھ دیکھ سکتی ہے (بشرطیکہ اس میں قرآن اور حدیث کا "سرمہ" لگا ہوا ہو!) کہ "وقت کے بہتے دریا" نے ایک جانب برِعظیم ہندوپاک کی پوری چار صدیوں کی تجدیدی مساعی کی وراثت ارض پاکستان میں جمع کر دی ہے، اور دوسری جانب ارضِ خراسان میں اللہ تعالیٰ نے سپرپاورز کی باہمی کشاکش کے ذریعے نہ صرف یہ کہ سوئی ہوئی مارشل اسپرٹ کو بیدار کر دیا ہے اور قدیم جذبۂ حریت کو مزید مہمیز دیدی ہے، بلکہ جذبہ جہاد فی سبیل اللہ کو بھی قابلِ لحاظ حد تک قوی بنا دیا ہے۔ تو پھر کون سے تعجب کی بات ہو گی اگر تاریخ کی کوئی کروٹ۔

"عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نطقِ اعرابی!"

کے مصداق ایک جانب سے مجددینِ ہند کا علم و حکمت اور فکر و فہم اور دوسری جانب سے

مسلمانانِ افغانستان کا جذبۂ عمل اور جوشِ جہاد دریائے سندھ اور دریائے کابل کے مانند باہم مل کر احیاءِ اسلام، غلبۂ دین، اور عالمی نظامِ خلافت کے قیام کا نقطۂ آغاز بن جائیں۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیزا

میری ان باتوں پر بھی کوئی "دانشور" اگر چاہے تو بڑی آسانی کے ساتھ کسی انفی کے خواب یا مجذوب کی بڑ کی پھبتی چست کر سکتا ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کبھی کبھی خود میں بھی اس کیفیت سے دوچار ہو جاتا ہوں کہ ۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی!

.... تاہم مجھے یہ اطمینان ہے کہ میری ان باتوں کو کم از کم "منفی سوچ" کی مظہر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

البتہ اس تیسری بات کے سلسلے میں دو سوالات کے جواب کے بارے میں میں نہایت متردد بھی ہوں اور ان میں سے ایک کے بارے میں میرا ایک اندیشہ بھی قوی سے قوی تر ہوتا چلا جا رہا ہے جسے قنوطیت اور یاس پسندی سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے اور منفی سوچ کا مظہر بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن "مَا اُرِیْکُمْ اِلَّا مَا اَرٰی"[۵] کے مصداق میں اپنے حقیقی احساسات بیان کرنے پر مجبور ہوں۔

ان دو سوالوں میں سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ "مَتٰی ھُوَ؟"[۶] کے مصداق غلبۂ اسلام کا یہ مرحلہ کب شروع ہوگا؟ اور دوسرا یہ کہ اگر اس کا آغاز پاکستان ہی سے ہونا ہے تو ع "کب کھلا تجھ پر یہ راز، انکار سے پہلے کہ بعد؟" کے مصداق آیا پاکستان میں دینِ حق کا غلبہ اور نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوت کا قیام کسی سقوطِ مشرقی پاکستان جیسے، یا اس سے بھی عظیم تر سانحے اور حادثے کے بعد ہوگا، یا اس سے قبل کسی خارجی افتاد کے بغیر ہی "رضاکارانہ توبہ" کے ذریعے ہو جائے گا۔

جہاں تک "مَتٰی ھُوَ" یعنی "یہ کب ہوگا؟" کا تعلق ہے، ہمیں قرآن حکیم سے بھی اس

---

۵ ترجمہ: "میں تمہیں وہی کچھ دکھا رہا ہوں جو خود دیکھ رہا ہوں!" (سورۃ المومن، آیت ۲۹)
۶ سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۵۱

سوال کے دو جواب ملتے ہیں' چنانچہ پہلا جواب تو وہی ہے جو سورۂ بنی اسرائیل کی اسی آیت (۵۱) میں بایں الفاظ وارد ہوا ہے: "قُلْ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا" یعنی "(اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے کہ عین ممکن ہے کہ وہ بالکل ہی قریب آگیا ہو!" بالکل اسی طرح کی ایک بات سورۃ المعارج میں بھی وارد ہوئی ہے: "اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرٰهُ قَرِيْبًا" یعنی "یہ لوگ اسے دور سمجھ رہے ہیں' جبکہ ہم اسے بالکل قریب دیکھ رہے ہیں!" (آیات ۶ - ۷) اور دوسرا وہ عمومی جواب ہے جو قرآن حکیم میں متعدد بار آیا ہے یعنی یہ کہ: "قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ" یعنی "(اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے کہ میں نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب آچکی ہے یا ابھی دور ہے!" (سورۃ الانبیاء: ۱۰۹) اور "قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا" یعنی اور "(اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے کہ میں نہیں جانتا کہ جس چیز کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے وہ عنقریب پیش آنے والی ہے یا ابھی میرا رب اس کے ضمن میں کچھ تاخیر فرمائے گا!" (سورۃ الجن: ۲۵)

بہرحال سورۂ بنی اسرائیل کی محولہ بالا آیت کے مطابق میری رائے بھی یہی ہے کہ پہلے پاکستان اور افغانستان' اور پھر کل روئے ارضی پر دینِ محمد ﷺ کا غلبہ اب زیادہ دور کی بات نہیں ہے۔ (اگرچہ دونوں مؤخر الذکر آیات کے مطابق اس کا حتمی علم صرف اللہ کو ہے) تاہم میرے تردد کی بنیاد یہ ہے کہ تاحال اس کے آثار کہیں دور دور تک بھی نظر نہیں آرہے۔ بلکہ ہم بحیثیتِ قوم و ملت روز بروز سورۂ آل عمران کی آیت ۱۶۷ میں واردان الفاظ کے زیادہ سے زیادہ مصداق بنتے چلے جا رہے ہیں: "هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ" ("وہ اُس روز ایمان کے مقابلے میں کفر سے قریب تر تھے!") اور واقعہ یہ ہے کہ اگر میرے سامنے حیاتِ نبویؐ اور سیرتِ مطہرہ کا ایک خاص مرحلہ نہ ہوتا تو ع "اڑتے اڑتے دور افق پر آس کا پنچھی ڈوب گیا!" کے مصداق میری امید کب کی دم توڑ چکی ہوتی۔ اس لئے کہ میں بحمد اللہ خوب اچھی طرح محسوس کر سکتا ہوں کہ سن دس نبویؐ میں جناب ابوطالب کے انتقال کے بعد عالمِ اسباب کے اعتبار سے مکہ مکرمہ میں نبی اکرم ﷺ کے لئے واحد امان اٹھ گئی اور کفارِ مکہ کے لئے نبی اکرم ﷺ کے قتل کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی' چنانچہ آپؐ اپنی دعوت اور تحریک کے لئے کسی متبادل مرکز کی تلاش میں طائف تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں —

آپؐ کو ایک دن میں وہ سختی جھیلنی پڑی جس کا سامنا اس سے قبل مکہ میں پورے دس سال کے دوران میں ذاتی طور پر آپؐ کو کبھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ واپسی پر آپؐ کی زبانِ مبارک پر وہ دلدوز فریاد بھی آئی جو حدیث اور سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہے' اور پھر اسی مایوسی کے عالم میں جب آپؐ مکہ واپس تشریف لائے تو سردارانِ قریش میں سے کسی کی امان حاصل کئے بغیر مکہ میں داخلہ ممکن نظر نہ آیا۔ چنانچہ دو اشخاص کی جانب سے آپؐ کی فرمائش کا کورا جواب ملنے کے بعد بالآخر ایک کافر و مشرک لیکن شریف النفس انسان مطعم بن عدی اپنے چھ ہتھیار بند بیٹوں کے ہمراہ مکہ سے باہر آیا اور آپؐ کے لئے اپنی امان کا اعلان کرتے ہوئے آپؐ کو ساتھ لیکر مکہ میں داخل ہوا......... تو اس وقت نہ آپؐ کی دعوت کے پنپنے کا کوئی امکان کسی کو نظر آسکتا تھا' نہ آپؐ کی کامیابی کے لئے امید کی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ کرن کسی کو دکھائی دے سکتی تھی! اس کے باوجود کل دس سال کی مدت میں انقلابِ عظیم برپا ہو گیا اور چشمِ گیتی نے وہ نظارہ دیکھ لیا کہ آپؐ ۱۰ رمضان المبارک سن ۸ ہجری کو اسی مکہ مکرمہ میں اپنے دس ہزار ساتھیوں کے جلو میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ گویا اللہ کی قدرت سے کچھ بھی بعید نہیں ہے۔ چنانچہ صرف اسی کے فضل و کرم کے سہارے اور اسی کی قدرتِ کاملہ کی بنا پر میری یہ امید قائم ہے کہ ان شاء اللہ اسی سرزمینِ پاکستان و افغانستان سے اس عمل کا آغاز ہو گا جس کے نتیجے میں عالمی سطح پر ع "شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے" اور ع "یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے!" کی کیفیت پیدا ہو کر رہے گی! (واضح رہے کہ مطعم بن عدی حالتِ کفر ہی میں فوت ہو گیا تھا لیکن آنحضور ﷺ کو اس کے احسان کا اس درجہ پاس تھا کہ آپ نے غزوۂ بدر کے بعد قریش کے ستر قیدیوں کے بارے میں فرمایا تھا کہ: "اگر آج مطعم زندہ ہوتا اور وہ ان کی سفارش کرتا تو میں ان سب کو بغیر کسی فدیئے اور تاوان کے رہا کر دیتا!")۔

اس "گمانِ غالب" یا امیدِ واثق (جس کی سرحدیں "یقین" سے جا ملتی ہیں) کے اظہار کے بعد کہ 'ان شاء اللہ العزیز' اسلام کے عالمی غلبے اور کل روئے ارضی پر نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوت کے قیام کا نقطۂ آغاز ارضِ پاکستان اور اس سے ملحق افغانستان کا وہ علاقہ بنے گا جو ماضی میں خراسان کہلاتا تھا' اب آیئے اس دوسرے سوال کی جانب جس کے جواب کے بارے میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ میں بہت متردد ہوں' یعنی یہ کہ آیا پاکستان میں یہ عظیم انقلاب "کسی

سقوطِ مشرقی پاکستان جیسے' یا اس سے بھی عظیم تر سانحے یا حادثے کے بعد ہو گا' یا اس سے قبل کسی خارجی افتاد کے بغیر ہی رضاکارانہ توبہ کے ذریعے ہو جائے گا؟" تو واقعہ یہ ہے کہ اس کے بارے میں اپنے حقیقی احساسات اور خدشات کے اظہار' اور انہیں نوکِ زبان یا نوکِ قلم پر لانے سے شدید خوف محسوس ہوتا ہے۔ اس لئے کہ تلخ حقائق کو تو تسلیم کرنا بھی بہت مشکل ہوتا ہے' کجا ان کا مواجہہ کرنا (یعنی انہیں "Face" کرنا) کہ وہ تو بہت ہی دل گردے کا کام ہے۔ جبکہ عام طور پر لوگوں کا طرزِ عمل اس روایتی کبوتر ہی کا ہوتا ہے جو بلی کو سامنے دیکھ کر آنکھیں بند کر لینے میں عافیت محسوس کرتا ہے۔ (حالانکہ ظاہر ہے کہ اس سے خطرہ تو نہیں ٹل جاتا اور حقیقت تو نہیں بدل جاتی!) لہٰذا شدید اندیشہ ہے کہ میرے خیالات کو قنوطیت اور یاس پسندی سے تعبیر کیا جائے گا اور بہت سے دانشور انہیں "منفی سوچ" کا مظہر قرار دیں گے۔ تاہم ع "مجھے ہے حکمِ اذاں' لا الٰہ الا اللہ!!" کے مصداق میں یہ عرض کرنے پر مجبور ہوں کہ ہم بحیثیتِ ملک و قوم عذابِ الٰہی کے دوسرے اور شدید تر کوڑے کے بہت قریب پہنچ چکے ہیں۔ اور ۔

"ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر
لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا!"

کے مصداق ہم اپنے اعمال کے اعتبار سے تو "عذابِ اکبر" کے قطعی مستحق ہو چکے ہیں' یہ دوسری بات ہے کہ اللہ اپنے خصوصی فضل و کرم کے طفیل ہمیں قوم یونس ؑ کی سی توبہ کی توفیق عطا فرما دے۔ (اللہ سے دعا ہے کہ ایسا ہی ہو!)

کچھ عرصہ قبل انہی کالموں میں "قرآن کا قانونِ عذاب" کے موضوع پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے' جس کے سلسلے میں سورۃ السجدہ کی آیت ۲۱ کا حوالہ بھی آیا تھا' جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ مستقل ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ وہ کسی قوم پر آخری "عذاب استیصال" سے قبل' یعنی اس عذاب سے پہلے جس کے ذریعے اس کا نام و نشان مٹا دیا جائے' چھوٹے عذاب نازل فرماتا ہے تاکہ اگر وہ ہوش میں آسکتی ہو تو آجائے اور توبہ و انابت کی روش اختیار کر کے "عذاب اکبر" سے بچ جائے۔ مزید برآں اس عذاب استیصال کے بارے میں یہ بات بھی واضح کی جا چکی ہے کہ چونکہ یہ صرف ان قوموں پر نازل کیا جاتا رہا ہے جن کی جانب اللہ کے رسول مبعوث ہو کر

اتمامِ حجت کا حق ادا کر چکے ہوںؒ لٰہذا نبی اکرم ﷺ پر نبوت اور رسالت کے سلسلے کے ختم ہو جانے کے بعد اس نوع کا عذاب کسی "نئی" قوم پر نہیں آئے گا۔ بلکہ یہ حتمی اور کلی طور پر صرف سابقہ امتِ مسلمہ یعنی یہود پر آئے گا جو اولاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو ان کی جانب مبعوث کئے گئے تھے رد کرنے کے باعث اس کے مستحق ہو گئے تھے' اور ثانیاً جب نبی اکرم ﷺ کی بعثتِ مبارکہ کے وقت انہیں ایک "رحم کی اپیل" کا موقع دیا گیا تو اسے بھی ضائع کرنے کے باعث حتمی اور قطعی طور پر ذلت و مسکنت' اور لعنتِ خداوندی اور غضبِ الٰہی کے مستوجب ہو گئے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ' جیسے کہ اس سے قبل تفصیل کے ساتھ عرض کیا جا چکا ہے' ان کی اس آخری اور "استیصالی" سزا کی تنفیذ اس لئے مؤخر کر دی گئی کہ موجودہ امتِ مسلمہ کے افضل اور برتر حصے یعنی مسلمانانِ عرب پر عذاب اس مغضوب اور ملعون قوم کے ہاتھوں نازل کیا جائے تاکہ درد و الم پر توہین و تذلیل کا اضافہ ہو جائے۔ (جس کا آغاز پینتالیس سال قبل' یعنی ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے وقت سے ہو چکا ہے اور جس میں "کتاب الملاحم" میں وارد شدہ پیشینگوئیوں کے مطابق مستقبل میں حد درجہ شدت پیدا ہونے والی ہے!)

رہی موجودہ امت مسلمہ یعنی امتِ محمد ﷺ تو اس پر کلی اور مجموعی حیثیت سے تو یہ نام و نشان مٹا دینے والا عذاب ہرگز نہیں آ سکتا۔ اس لئے بھی کہ یہ آخری امت ہے اور اسے تا قیامِ قیامت باقی رہنا ہے۔ (جیسے کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں آخری رسول ہوں اور تم آخری امت ہو!") اور اس لئے بھی کہ اس کا اصل جرم بے عملی یا بدعملی ہے' رسول ﷺ کی رسالت کا انکار نہیں! تاہم اس بے عملی و بدعملی' اور بدعہدی و بیوفائی کی پاداش میں کسی مخصوص خطے اور علاقے سے اس کا نام و نشان مٹا دیا جانا ہرگز بعید از قیاس نہیں ہے۔ چنانچہ ہسپانیہ کی تاریخ اس کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ وہ سرزمین جس پر مسلمانوں نے آٹھ سو سال تک حکومت کی' وہاں سے ع "مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے!" کے مصداق اسلام

ے سورۃ بنی اسرائیل' آیت ۱۵ اور سورۃ القصص' آیت ۵۹

ش سورۃ بنی اسرائیل' آیات ۷ و ۸

اور مسلمانوں کا نام و نشان مٹے پورے پانچ سو برس ہو گئے ہیں۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓا اُولِی الْاَبْصَار!

ان سطور کے ناچیز راقم نے اب سے ساڑھے چھ سال قبل (جنوری ۸۷ء میں) اپنی تالیف "استحکام پاکستان اور مسئلہ سندھ" شائع کی تو اس کے ذیلی سرورق پر یہ الفاظ تحریر کئے تھے:

"۹۳ھ مطابق ۷۱۲ء میں اسلام بیک وقت برِ عظیم ہند میں براستہ سندھ' اور برِاعظم یورپ میں براستہ سپین داخل ہوا تھا۔ سپین سے اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ ہوئے پانچ سو برس ہو چکے ہیں۔ کیا اب وہی تاریخ سندھ میں بھی دہرائی جانے والی ہے؟۔

آگ ہے' اولادِ ابراہیم ؑ ہے' نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے؟"

....اور آج راقم گہرے درد و رنج کے ساتھ یہ عرض کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پارہا ہے کہ ان ساڑھے چھ سالوں کے دوران وقت کے دریا میں جو مزید پانی بہہ گیا ہے اس کے نتیجے میں نہ صرف پاکستان بلکہ پورے برِ عظیم پاک و ہند میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کو شدید خطرات لاحق ہو گئے ہیں!

اس لئے کہ ایک جانب اس تلخ حقیقت سے اختلاف کی کسی بھی شخص کے لئے ذرہ بھر گنجائش نہیں ہے کہ ہم نے ۱۹۷۱ء کے "عذابِ ادنیٰ" سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ اور ڈھاکہ کے سقوط' ملک کے دولخت ہونے' مشرقی پاکستان کی بنگلہ دیش کی صورت میں قلب ماہیت' اور ان سب پر مستزاد ان ہندوؤں کے ہاتھوں شرمناک اور ذلت آمیز شکست اور ترانوے ہزار مسلمانوں کی اسیری جن پر کہیں چھ سو' کہیں آٹھ سو اور کہیں ایک ہزار برس تک حکومت کی تھی (جس پر اندرا گاندھی کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ "ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا لیا ہے!") کے نتیجے میں نہ ہماری قومی اور اجتماعی روش میں کوئی تبدیلی آئی' نہ ہی افراد کی ترجیحات یا مشاغل میں سرِمو فرق واقع ہوا' بلکہ بحیثیت مجموعی ہم ہر اعتبار سے زوال اور اضمحلال ہی کی جانب رواں دواں ہیں۔ چنانچہ ہمارا داخلی انتشار ہے کہ روز بروز بڑھتا چلا جارہا ہے' تا آنکہ حالیہ سیاسی بحران کے دوران میں بعض دوسرے سیاسی اور قومی رہنماؤں کے اسی

نوع کے بیانوں کے علاوہ خان ولی خاں کا یہ "عریاں" بیان بھی شائع ہو چکا ہے کہ "معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان ختم ہو چکا ہے!" اسی طرح معیشت ہے کہ تباہی کے آخری کنارے کو پہنچا چاہتی ہے۔ قوم کے منتخب نمائندوں کو اب "بکاؤ گھوڑوں" سے بڑھ کر "لوٹوں" کا نام دیا جا رہا ہے۔ حالیہ چپقلش کے ضمن میں صدرِ مملکت کو سرِعام گالیاں دی گئیں اور ان کے نت نئے کارٹون اور کیری کیچر شائع ہوئے' اس سے بھی بڑھ کر عدلیہ پر کھلے بندوں فقرے چست کئے گئے حتیٰ کہ اعلیٰ عدالتوں پر پتھراؤ بھی ہوا۔ الغرض واقعتاً ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ہم قومی اور ملکی اعتبار سے :

"اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کارساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہانِ کاف و نوں!"

کی حد کو پہنچ چکے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف بین الاقوامی سیاست میں زمین و آسمان کا فرق واقع ہو چکا ہے۔ دنیا دو سپر پاورز کی کشاکش کی آماجگاہ ہونے کی بجائے ایک "سول سپریم پاور" کے حیطۂ اقتدار میں آچکی ہے۔ چنانچہ اب کمزور قوموں اور چھوٹے ملکوں کے options بہت محدود ہو چکے ہیں۔ اور اِدھر ہم جس کی دوستی کا دم بھرتے رہے اور جس کی حمایت کے سہارے جیتے رہے بلکہ جس کے گھڑے کی مچھلی بنے رہے (یعنی امریکہ) وہ نہ صرف یہ کہ ؏ "آں قدح بشکست و آں ساقی نہ ماند!" کا مصداقِ کامل بن گیا ہے۔ بلکہ اب ہر اعتبار سے بھارت کو ترجیح دینے کی پالیسی کے ناطے ؏ "جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے!" کا مظہرِ اتم بن گیا ہے۔ اور صرف ہمارے لئے ہی نہیں' پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے اعتبار سے خطرناک ترین اور خوفناک ترین امر یہ ہے کہ اس "سول سپریم پاور آن ارتھ" کی پالیسیوں کی تشکیل' اور فیصلوں کی تعیین میں یہودیوں کو فیصلہ کن اثر و نفوذ حاصل ہے' جس کے نتیجے میں "نیو ورلڈ آرڈر" فی الواقع "جیو ورلڈ آرڈر" بن گیا ہے!

تیسری جانب بھارت میں متعصب ہندو ذہنیت کا جارحانہ احیاء ہے جس کی شدت نے دیکھتے ہی دیکھتے طوفانی صورت اختیار کرلی ہے۔ تقسیم ہند کے بعد لگ بھگ پچیس برس تک بھارت میں ہندومت کے احیاء کے کوئی آثار نہیں تھے' بلکہ بھارت کی سیاسی اور سماجی زندگی پر انڈین نیشنل کانگرس کو فیصلہ کن غلبہ حاصل تھا جس میں اگرچہ متعصب اور کٹر ہندو بھی یقیناً

شامل تھے تاہم اس کی قیادت میں فیصلہ کن عمل دخل سیکولر مزاج کے حامل لوگوں کو حاصل تھا۔ لیکن ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے دولخت ہونے کے باعث اس کے رعب اور دبدبے میں جو کمی آئی اس سے بھارت میں عوامی سطح پر ہندو قوم پرستی کے جذبے کو تقویت ملی اور نہ صرف بھارت میں ہندو راشٹر کے قیام بلکہ پراچین بھارت کی عظمتِ رفتہ اور سطوتِ گزشتہ کی بازیافت کی امنگ پیدا ہوئی۔

اس جلتی پر تیل کا کام اس حادثے نے کیا کہ جب اَسّی کی دہائی کے آغاز میں جبری نس بندی کے ردِّ عمل میں مسلمان ووٹ بحیثیتِ مجموعی کانگریس کے خلاف پڑا تو اس پر "جواب آں غزل" کے انداز میں اگلے انتخابات میں اندرا گاندھی نے "ہندو دیوی" کا روپ دھار کر خالص ہندو ووٹ کے ذریعے دوبارہ اقتدار حاصل کر لیا۔ اور اس طرح بھارت میں ریاستی اور حکومتی سطح پر اور بالخصوص ذرائع ابلاغ کی وساطت سے ہندو فنڈامنٹلزم کو فروغ حاصل ہوا، جس کا نتیجہ سامنے ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) جو راشٹریہ سویم سیوک سنگھ (آر ایس ایس) کے سیاسی فرنٹ کی حیثیت رکھتی ہے بھارت میں عظیم قوت بن کر ابھری ہے اور پوری ہندی بیلٹ (راجپوتانہ، ہریانہ، اتر پردیش، مدھیہ پردیش اور گجرات) میں تو غالب سیاسی طاقت بن ہی چکی ہے، اب جنوبی بھارت میں بھی قدم جمانے کی کوشش کر رہی ہے۔ ادھر خود آر ایس ایس کا حال یہ ہے کہ ایک جانب اب سے لگ بھگ دس برس قبل شکاگو سے جو ایک ضخیم تصنیف اس کے بارے میں "Brotherhood in Saffron" کے نام سے شائع ہوئی تھی اس میں اس کے تربیت یافتہ کارکنوں کی تعداد پچیس لاکھ بتائی گئی تھی۔ (اس پر اس عرصے میں جو اضافہ ہوا ہو گا اس کا اندازہ خود لگا لیجئے!) دوسری جانب اس کی مستقل مزاجی کا عالم یہ ہے کہ ستر برس کے لگ بھگ عرصہ اس کے قیام کو ہونے کو آیا لیکن اس نے کبھی انتخابات میں شریک ہو کر "پاور پالیٹکس" میں وقت ضائع کرنا ہرگز گوارا نہیں کیا بلکہ ساری توجہ کو پوری تندہی کے ساتھ اپنے کارکنوں کی تنظیم اور تربیت اور سماجی خدمت کے کاموں پر مرکوز رکھا (واضح رہے کہ یہ جماعت قائم بھی خاکسار تحریک کے ردعمل ہی میں ہوئی تھی) اور تیسری جانب اس کے کارکنوں کے نظم و ضبط کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ دسمبر ۹۲ء کے پہلے ہفتے میں ان کے تین لاکھ کارکن بابری مسجد کو گرانے کے لئے ایودھیا میں جمع ہوئے، اور ظاہر ہے کہ وہ بھارت کے کونے کونے

سے طویل سفر طے کر کے آئے تھے، لیکن مسجد کے شہید کئے جانے تک کہیں ان کے کارکنوں کے مشتعل ہو کر کسی مسلمان کی جان، مال، یا عزت پر ہاتھ ڈالنے کا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ چنانچہ اب بھارت میں اسلام اور مسلمانوں کی موجودہ صورت حال اور مستقبل کے اندیشوں کا اندازہ اس سے لگا لیجئے کہ شنید ہے کہ اس عظیم تنظیم کے رہنما (گورو) دیورس نے حال ہی میں ایک گشتی مراسلہ بھارت کی تمام ہندو سیاسی، سماجی اور مذہبی تنظیموں کو ارسال کیا ہے جس میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ:

"اب ہمیں بھارت کی پاک زمین سے مسلمانوں کی نجاست کو حتمی طور پر ختم کرنے کا آخری فیصلہ کر گزرنا چاہئے۔ اور میں آپ سب کو اطمینان دلاتا ہوں کہ اس پر کچھ معمولی سا ردِ عمل پاکستان اور بنگلہ دیش میں تو ہو سکتا ہے، جس کی ہمیں پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں، باقی پوری دنیا کے مسلمانوں سے کسی ناموافق ردعمل کا کوئی اندیشہ نہیں ہے!"

اندریں حالات بھارت کا مسلمان تو مسلسل خوف کی حالت سے دوچار ہے ہی (اس لئے کہ اسے تو مسلسل یہ نعرہ سننا پڑتا ہے کہ "مسلمان کے دو استھان: پاکستان یا قبرستان!") لیکن جگر کے اس شعر کے مصداق کہ ۔

"آسودۂ ساحل تو ہے مگر شاید یہ تجھے معلوم نہیں
ساحل سے بھی موجیں اٹھتی ہیں، خاموش بھی طوفاں ہوتے ہیں!"

ہم مسلمانانِ پاکستان کو بھی کسی مغالطے میں مبتلا نہیں رہنا چاہئے۔ اس لئے کہ ایک جانب بھارت کے ہندو فنڈامنٹلزم کا علاقائی عملداری کا دعویٰ انڈونیشیا سے افغانستان تک، معاشی استحصال کی امنگیں اس سے بھی آگے ایران و عرب تک، اور بحری بالادستی کا عزم پورے بحرِ ہند پر یعنی آسٹریلیا سے افریقہ تک ہے! اور دوسری طرف بھارت اسرائیل گٹھ جوڑ اور ہنود و یہود کا اشتراکِ عمل بڑی تیزی کے ساتھ رسمی اور روایتی سفارتی تعلقات سے بہت آگے بڑھ رہا ہے۔ اور اسرائیل اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کے توسیعی عزائم یعنی عظیم تر اسرائیل کے قیام کی راہ میں واحد مسلمان ملک جو مزاحم ہو سکتا ہے صرف پاکستان ہے، جس کے ایٹمی دانت یا نکل چکے ہیں یا نکلنے کا اندیشہ ہے! اور تیسری جانب امریکہ وسطی ایشیا کی نو آزاد مسلمان

ریاستوں کے سیاسی' معاشی یہاں تک کہ سماجی روابط بھی مغرب میں اسرائیل اور سیکولر ترکی اور مشرق میں بھارت کے ساتھ استوار کرانے کی سرتوڑ کوشش کر رہا ہے۔ الغرض' ان جملہ داخلی و خارجی عوامل کا "حاصل جمع" اقبال کے الفاظ میں یہ ہے کہ ع "تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں!" اور ہم بحیثیتِ ملک و قوم اس وقت بالکل اسی صورت حال سے دوچار ہو چکے ہیں جس کے پیش نظر بخت نصر کے ہاتھوں عظیم سلطنت اسرائیل اور مقدس شہر یروشلم کی کامل تباہی سے قبل انبیاء بنی اسرائیل اپنی قوم کو ان الفاظ میں متنبہ کرتے رہے تھے کہ: "ہوش میں آجاؤ' ورنہ جان لو کہ درخت کی جڑوں پر کلہاڑا رکھا جا چکا ہے!"

○

"ایک بندۂ مومن کا کام یہ ہے کہ اپنا سب کچھ راہِ حق میں لاکر ڈال دے' اپنی قوت و صلاحیت اپنی توانائیاں اپنا مال اور اپنی جان اس کام کے لئے وقف کر دے۔ اس میں کھپا دے تو جیسا کہ کہا گیا کہ "السعی منا و الاتمام من اللہ" کوشش کرنا ہمارے ذمہ ہے کسی کام کی تکمیل کر دینا ہمارے بس میں نہیں ہے۔ اس کام کا اتمام و تکمیل کو پہنچنا سراسر اللہ کے اِذن اور اس کے فیصلہ پر منحصر ہے۔ اور اللہ کا اذن اور فیصلہ اس کی حکمت کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لئے ایک اجل معین کر رکھی ہے ہم نہیں جانتے کہ اس نے اپنے دین کی نشاۃ ثانیہ اور اس کے غلبہ و اظہار کے دور ثانی کے لئے کون سا وقت مقرر فرمایا ہوا ہے۔ ہم کو نہیں معلوم کہ دینِ حق کے بالفعل قائم اور نافذ ہونے تک ابھی اللہ تعالیٰ کتنے قافلوں کو اٹھائے' جو کچھ دور تک چلیں' چند کٹھن منازل طے کریں اور پھر تھک ہار کر رہ جائیں۔ پھر کوئی دوسرا قافلہ ایک عزمِ نو کے ساتھ مرتب ہو اور آگے بڑھے اور اس جدوجہد کو کسی خاص حد تک لے جائے ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ البتہ ہم یہ جان گئے ہیں اور یہ جان لینا ہی ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم مسئول ہیں عزمِ مصمم کرنے پر اور ہم مسئول ہیں سعی و جہد پر' ہم مسئول ہیں اپنی سی کر گزرنے پر۔ اس راہ کے کسی ایک مرحلے کی تکمیل بھی ہمارے بس میں نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق اور اس کی حکمت پر منحصر ہے"۔

امیر تنظیم اسلامی' ڈاکٹر اسرار احمد کے تاسیسی اجتماع۔ مارچ ۱۹۷۵ء...... میں افتتاحی خطاب سے

ہماری نجات کا واحد ذریعہ:

اجتماعی توبہ!

جو کچھ گذشتہ صحبت میں عرض کیا گیا تھا اس کے پیش نظر اس انگریزی مقولے کے مطابق کہ "امید تو بہترین کی کرو' لیکن تیار بدترین کے لئے رہو!" اس خِطّہ ارضی کے مستقبل کے بارے میں' جس میں پاکستان واقع ہوا ہے' بہترین سے بدترین تک تین ممکنہ صورتیں نظر آتی ہیں:

پہلی صورت' جو نہایت خوش آئند اور تابناک ہے' یہ کہ ۔

"پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی!"

کے مصداق ملتِ اسلامیہ پاکستان کو قومِ یونس ؑ کی سی توبہ کی توفیق مل جائے۔ چنانچہ اولاً افراد و اشخاص کی ایک معتدبہ تعداد اللہ کے حضور میں سچی اور خالص توبہ کرے اور ایک جانب اپنے عقائد کی تصحیح کرے اور توحیدِ خالص کا دامن از سرِ نو مضبوطی کے ساتھ تھامے' دوسری جانب فسق و فجور کو ترک کرے اور اپنی معیشت اور معاشرت کو حرام اور منکر سے پاک کرے' اور تیسری جانب غلبۂ اسلام اور قیامِ نظامِ خلافت کی منظم جدوجہد کے لئے تن من دھن وقف کر دے۔ ثانیاً اس طرح جو منظم قوت وجود میں آئے وہ ملکی سیاست اور اقتدار کی کشاکش سے بالکل علیحدہ رہتے ہوئے اپنی جملہ مساعی اور تمام تر توانائیوں کو مزاحمتی تحریک کے لئے وقف کر دے اور امربالمعروف اور نہی عن المنکر کے ضمن میں فطری تدریج کے ساتھ "بِاللِّسان" یعنی زبان اور نشر و اشاعت کے دیگر ذرائع سے تدریجاً آگے بڑھ کر "بِالْیَد" یعنی قوت کے ساتھ مزاحمت کی راہ اختیار کرے۔ اور اس طرح ارضِ پاکستان پر اللہ کے دین کو غالب اور اسلام کے نظام عدلِ اجتماعی کو نافذ کر دے۔ اگر ایسا ہو جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ نہ

صرف یہ کہ قیامِ پاکستان کے لئے جو قربانیاں مسلمانانِ ہند نے دی تھیں وہ رائیگاں نہیں گئیں' بلکہ الف ثانی کی جملہ چار سو سالہ تجدیدی مساعی بھی بار آور ہو گئیں۔ اس لئے کہ اس صورت میں ارضِ پاکستان کو فوری طور پر اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا گہوارہ اور عالمی غلبۂ اسلام کا نقطۂ آغاز بننے کی سعادت حاصل ہو جائے گی۔ اب ظاہر ہے کہ ہر مسلمان کی دلی خواہش بھی یہی ہو گی کہ ایسا ہو جائے' اور اسی کی دعا بھی ہر قلب کی گہرائی سے بلند ہو گی۔ اور "جب تک سانس تب تک آس!" کے مطابق ہمیں آخری دم تک کوشش بھی اسی کی کرنی چاہئے۔ لیکن یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہے کہ اس کے کچھ ناگزیر لوازم و شرائط ہیں جن کا اجمالی ذکر اوپر بھی ہو چکا ہے اور کسی قدر وضاحت سے آگے دوبارہ ہو گا۔

دوسری ممکنہ صورت یہ ہے کہ چونکہ سرزمین مشرقی پاکستان ہم مغربی پاکستان کے رہنے والوں کی نگاہوں سے دور تھی اور "آنکھ او جھل پہاڑ او جھل" کے مصداق ۱۹۷۱ء کے "عذابِ ادنیٰ" کے شدائد کو ہم نے براہ راست محسوس نہیں کیا لہٰذا شاید کہ ہماری آنکھیں کھولنے اور ہمیں توبہ اور رجوع پر آمادہ کرنے کے لئے ایک مزید "عذابِ ادنیٰ" کی ضرورت ہو۔ چنانچہ جس عذاب کے سائے افق پر منڈلاتے نظر آ رہے ہیں وہ عذابِ ادنیٰ ہی کا ایک اور کوڑا ہو۔ اور اگرچہ اقبال کا یہ شعر کہ ؎

"اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!"

تاحال ترکوں پر تو صادق نہیں آ سکا' لیکن کیا عجب کہ ہم پر صادق آ جائے!

تیسری اور آخری' اور حد درجہ قابلِ حذر صورت' جو بحالاتِ موجودہ ہرگز بعید از قیاس نہیں ہے' یہ ہے کہ' خاکم بدہن' ہمیں اپنے کرتوتوں اور فروگزاشتوں کی پاداش میں اپنے کسی دشمن کے ہاتھوں عبرتناک سزا دلوائی جائے جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ (قرآن کے الفاظ کے مطابق) ہمارے حلیے بگڑ جائیں[1] بلکہ اس علاقے کا جغرافیہ ہی بدل جائے اور عظیم سلطنتِ عثمانیہ اور عظیم سوویت یونین کے مانند' اور ع "تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں

---

[1] لِيَسُوْءٗا وُجُوهَكُمْ (بنی اسرائیل:۷)

میں!" کے مصداق "سلطنتِ خداداد پاکستان" کا نام و نشان بھی دنیا کے نقشے سے حرفِ غلط کی طرح مٹ کر رہ جائے!

اللہ نہ کرے ایسا ہو' اور اگرچہ قرائن اور شواہد کے اعتبار سے تو اب معاملہ ایک انگریزی محاورے کے مطابق "امید کے خلاف امید" (Hoping against hope) کا ہے' تاہم مجھے اب بھی امید ہے کہ ان شاء اللہ ایسا نہیں ہو گا۔ لیکن اگر خدانخواستہ ایسا ہو گیا تب بھی میری یہ "امیدِ واثق" اپنی جگہ برقرار رہے گی کہ عالمی غلبۂ اسلام اور کُل روئے ارضی پر نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوت کا قیام' جو تقدیرِ مبرم کے مانند اٹل ہے' اسی خطۂ ارضی سے شروع ہو گا۔ اس لئے کہ ؎

"ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے!"

کے مصداق تاریخ اپنے آپ کو دہرا سکتی ہے۔ اور جس طرح اب سے لگ بھگ سات آٹھ سو سال قبل اللہ تعالیٰ نے عربوں کو تاتاریوں کے ہاتھوں پٹوایا' اور پھر خود ان کو اسلام کی توفیق عطا کر کے عالمِ اسلام کی قیادت سونپ دی' اسی طرح عین ممکن ہے کہ ہمارا کوئی دشمن ہمیں فتح کر لے لیکن پھر خود اسلام کے ہاتھوں مفتوح ہو جائے! اس لئے کہ بعض ایسے حضرات جن کی نگاہ ایک جانب تاریخ اور رفتارِ زمانہ پر بھی ہے' اور دوسری جانب قرآن اور دیگر کتبِ سماویہ کے علاوہ ہندوستان کی قدیم مذہبی کتابوں پر بھی' یہ رائے رکھتے ہیں کہ امتِ مسلمہ کی قیادت جو اولاً عربوں کو عطا کی گئی تھی جو حضرت نوحؑ کے بیٹے حضرت سام کی نسل سے تھے' پھر ترکوں کو منتقل کر دی گئی تھی' جو حضرت نوحؑ کے دوسرے بیٹے حضرت یافث کی نسل سے تھے' اب جنوبی ایشیا کے ان لوگوں کو منتقل ہونے والی ہے جو حضرت نوحؑ کے تیسرے بیٹے یعنی حضرت حام کی نسل سے ہیں۔ واللہ اعلم!

بہرصورت' جیسے کہ اوپر عرض کیا گیا' ہمارا فرض یہ ہے کہ ؎

"سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے!"

کے مصداق دامنِ امید کو حتی الامکان مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھنے کی کوشش کریں' اور ع

"پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ!" کے مطابق چمنِ پاکستان میں "چمن سے روٹھی بہار" کو واپس لانے کی ہر ممکن سعی کریں اور اس سلسلے میں قومِ یونس ؑ کی مثال ہمارے لئے بہت ہمت افزا ہے۔ چنانچہ سورۂ یونس ؑ کی آیات ۹۶ تا ۹۸ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کا مستقل قانون تو یہی ہے کہ جس طرح کسی انسان پر موت کے آثار شروع ہو جانے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے' اسی طرح کسی قوم پر آخری اور بڑے عذاب کے آثار شروع ہونے کے بعد اس کے ایمان لانے یا توبہ کرنے سے عذاب نہیں ٹالا جاتا' لیکن اس قاعدۂ کلیہ میں ایک استثناء کا معاملہ حضرت یونس ؑ کی قوم کے ساتھ ہوا کہ ان کی توبہ عذابِ استیصال کے آثار شروع ہونے کے بعد بھی قبول کر لی گئی۔ تو اگرچہ قومِ یونس ؑ کے ضمن میں تو اس استثناء کا سبب کچھ اور تھا' تاہم چونکہ ہم پر فی الوقت کسی رسول کے ذریعے اتمامِ حجت نہیں ہوا ہے' لہٰذا ہم بھی اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاری سے استغاثہ کرنے کے مستحق ہیں اور توقع کر سکتے ہیں کہ اگر ہم سچی توبہ (توبۂ نصوح) کا حق ادا کر دیں تو آنے والا عذاب ٹل سکتا ہے۔

البتہ کسی قوم کو دنیا میں اس "رسوا کن عذاب" سے نجات پا کر ایک نئی "مہلتِ حیات"[۲] کی حقدار قرار دینے والی "توبہ" کے کچھ لوازم و شرائط ہیں جن کا فہم و ادراک ضروری ہے:

(ا) اولاً یہ کہ اگرچہ "اجتماعی توبہ" کا نقطۂ آغاز لامحالہ انفرادی توبہ ہی ہوتی ہے' لیکن انفرادی توبہ کے ذریعے صرف اخروی عذاب سے نجات کی ضمانت مل سکتی ہے۔ اور وہ بھی صرف اس صورت میں کہ وہ واقعی "توبۂ نصوح" ہو جس کی آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویہ ؐ کی روشنی میں جو شرائط معین کی گئی ہیں وہ حقوق اللہ کے ضمن میں ہونے والی تقصیرات کے معاملے میں تو تین ہیں' لیکن حقوق العباد سے متعلق گناہوں کے معاملے میں چار ہیں۔ یعنی ان دونوں قسم کے گناہوں کے ضمن میں تو یہ تین شرائط مشترک ہیں کہ: (ا) ایک یہ کہ حقیقی اور واقعی ندامت موجود ہو' بقول اقبال ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے!

۲؎ ملاحظہ ہو سورۂ یونس' آیت ۹۸

(ii) دوسرے یہ کہ آئندہ کے لئے عزمِ مصمم ہو کہ اس گناہ کا ارتکاب کبھی نہیں کروں گا۔ اور (iii) تیسرے یہ کہ بالفعل بھی اس گناہ کو واقعتاً ترک کردے۔ اور ان پر مستزاد حقوق العباد کے ضمن میں ایک چوتھی اضافی شرط یہ ہے کہ شخصِ متعلق کا جو حق تلف یا غصب کیا تھا اس کی تلافی کرے' یا بصورتِ دیگر اس سے معافی حاصل کرے! (ورنہ قیامت کے دن حساب کتاب کے وقت ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دی جائیں گی یا مظلوم کی برائیاں ظالم کے حساب میں شمار ہوں گی۔)

(۲) یہ "انفرادی توبہ" خواہ کتنی ہی سچی ہو اور انسان ذاتی اعتبار سے خواہ کتنا ہی متقی و صالح' اور عابد و زاہد کیوں نہ بن جائے' اگر قوم کی مجموعی حالت تبدیل نہ ہو اور وہ بحیثیتِ مجموعی عذابِ خداوندی کی مستحق بن جائے تو جس طرح چکی میں گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے اسی طرح جب کسی قوم پر دنیا میں اجتماعی عذاب آتا ہے تو اس کی لپیٹ میں بدکاروں اور بدمعاشوں کے ساتھ ساتھ بے گناہ لوگ بھی آجاتے ہیں جیسے کہ سورۃ الانفال کی آیت ۲۵ میں فرمایا:

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

(ترجمہ) "اور ڈرو اس عذاب سے جو تم میں سے صرف بدکاروں اور گناہ گاروں ہی پر نہیں آئے گا' اور جان لو کہ اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے!"

(اس قاعدۂ کلیہ میں بھی ایک استثناء موجود ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے)----اس سے بھی زیادہ قابلِ حذر معاملہ وہ ہے جو ایک حدیثِ مبارک میں بیان ہوا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: "اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ فلاں اور فلاں بستیوں کو ان کے رہنے والوں سمیت الٹ دو۔ اس پر حضرت جبرئیلؑ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ پروردگار! اس میں تو تیرا فلاں بندہ بھی رہتا ہے جس نے آج تک کبھی پلک جھپکنے جتنی دیر بھی معصیت میں بسر نہیں کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: الٹ دو اس بستی کو پہلے اس پر اور پھر دوسروں پر' اس لئے کہ (اپنی تمام تر ذاتی نیکی اور پارسائی کے باوصف' اس کی دینی بے حمیتی کا حال یہ ہے کہ میرے دین و شریعت کی حمایت و حفاظت میں کوئی عملی سعی و جہد تو درکنار) میری غیرت کے باعث کبھی اس

کے چہرے کا رنگ بھی متغیر نہیں ہوا!" (سنن بیہقی)

(۳) دنیا میں کسی قوم کے اللہ کے عذاب سے بچنے کی واحد صورت "اجتماعی توبہ" ہے اور اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ دنیا میں کسی معاشرے کے صد فی صد لوگ تو کسی بھی دور میں درست نہیں ہوئے۔ (یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں بھی آخر دم تک کچھ نہ کچھ تعداد میں منافق ضرور موجود رہے' تابہ دیگراں چہ رسد؟) تاہم اگر کسی قوم کے افراد اتنی معتدبہ تعداد میں سچی توبہ کرلیں کہ پھر اپنی دعوت و نصیحت' اور امربالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعے قوم کے اجتماعی دھارے کا رخ تبدیل کردیں' یعنی بالفاظِ دیگر ایک اجتماعی انقلاب برپا کرنے میں کامیاب ہو جائیں' تو اس قوم کی جانب سے "اجتماعی توبہ" کا حق ادا ہو جائے گا۔ اور وہ "دنیا کی زندگی میں رسوا کن عذاب" سے نجات پاکر "نئی زندگی" حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔

(۴) چنانچہ کسی قوم پر اجتماعی عذاب نازل ہونے کی صورت میں اس کے نیک اور صالح افراد کے بچالئے جانے کی وہ واحد استثنائی صورت جس کا ذکر اوپر کیا گیا تھا' اور جس کی امید قرآن حکیم میں سورۃ الاعراف کی آیت ۱۶۵ میں دلائی گئی ہے' یہی ہے کہ قوم کے اجتماعی فساد کی صورت میں جو لوگ آخر دم تک "نہی عن السُّوء" کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہیں' اور گویا سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۲ کے ان الفاظِ مبارکہ کے مصداق بن جائیں: "اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ" (یعنی "توبہ کرنے والے' بندگی کا حق ادا کرنے والے' اللہ کی حمد کرنے والے' لذاتِ دنیوی سے کنارہ کش رہنے والے' رکوع کرنے والے' سجدہ کرنے والے' نیکی کا حکم دینے والے اور بدی سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کے محافظ بن کر کھڑے ہو جانے والے")---- تو اگر ان کی جملہ مساعی کے باوجود قوم بحیثیتِ مجموعی صحیح رخ پر نہ آئے اور اعراض و استکبار ہی پر مصر رہنے کے باعث عذابِ الٰہی کی مستحق ہو جائے تو اللہ اپنے ایسے "نہی عن المنکر" کا حق ادا کرنے والے بندوں کو دنیا کے رسوا کن عذاب سے بچاکر اپنے دامنِ رحمت میں لے لیتا ہے۔

(۵) کسی مسلمان فرد یا قوم میں بے عملی یا بد عملی کا اصل سبب یقین والے ایمان کی کمی یا

نقدان ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کا علاج بھی ع "علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی!" کے مصداق یہی ہے کہ اقبال کے اس قول کے مطابق کہ۔

"یقیں پیدا کر اے ناداں' یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ دَرویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری!"

امت میں یقین والا ایمان از سرِ نو پیدا کیا جائے۔ اسی حقیقت کو قرآن حکیم نے اس طرح تعبیر فرمایا کہ توبہ گویا از سرِ نو ایمان لانے کا کام ہے جس کا لازمی نتیجہ عمل کی اصلاح ہے[۳]۔ لہذا قوم کی "اجتماعی توبہ" کے لئے اصل اور بنیادی ضرورت یہ ہے کہ تجدیدِ ایمان کی عمومی تحریک برپا کی جائے اور الحمدللہ کہ برِّعظیم پاک و ہند میں ایک بڑے پیمانے اور عوامی سطح پر' اگرچہ غیر علمی اور غیر فکری انداز میں' تجدیدِ ایمان کی ایک عظیم تحریک "تبلیغی جماعت" کے تحت چل بھی رہی ہے' تاہم ضرورت ہے کہ امت کے ذہین اور فہیم عناصر میں ایسے شعوری ایمان کی افزائش کا سامان کیا جائے جس کا گہرا اور محکم رشتہ ان کے "فکر" کے ساتھ قائم ہو۔ اس لئے کہ اس کے بغیر قوم کی اجتماعی صورت حال کا بدلنا ناممکن ہے۔ چنانچہ اسی ضرورت کے احساس کے تحت علامہ اقبال نے اب سے لگ بھگ ساٹھ برس قبل "فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید" کے عنوان سے اپنے مشہورِ زمانہ "خطبات" ارشاد فرمائے تھے اور اسی ضرورت کے احساس کے تحت اب سے لگ بھگ تیس سال قبل حضرت علامہ ہی کے ایک ادنیٰ خوشہ چین کی حیثیت سے راقم الحروف نے "رجوع الی القرآن" کی تحریک شروع کی تھی۔ اس لئے کہ وہ بات جو مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے نہایت سادہ الفاظ میں کہی تھی' یعنی۔

"وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں!"

---

[۳] از روئے الفاظِ قرآنی: اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحًا فَاُولٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ (الفرقان ۷۰)
(ترجمہ) "سوائے ان کے جنہوں نے توبہ کی' اور جو ایمان لائے اور جنہوں نے بالفعل اچھے عمل کئے' تو اللہ ان کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا!"

وہ فی الواقع ایک نہایت عظیم حقیقت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے امتِ مسلمہ کے جملہ امراض کا اصل سبب قرآن سے دوری کو قرار دیا اور اس کا اصل علاج "رجوع الی القرآن" تجویز کیا۔ چنانچہ سادہ ترین الفاظ میں تو "جوابِ شکوہ" میں ارشاد فرمایا: ۔

وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر!

اور نہایت پر شکوہ الفاظ میں ان فارسی اشعار میں بیان کیا کہ ۔

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی

اور ۔

اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ
در بغل داری کتابِ زندۂ!

یعنی "اے امتِ مسلمہ' تو درحقیقت تو خوار اور زبوں حال صرف اس لئے ہوئی کہ قرآن حکیم سے اپنا تعلق توڑ بیٹھی۔ گردشِ دوراں کے شکوے خواہ مخواہ کر رہی ہے۔ اے وہ قوم جو شبنم کی طرح زمین پر پڑی ہوئی ہے (چنانچہ اغیار و اعداء تجھے پامال کر رہے ہیں) اب بھی اس "کتابِ زندہ" کی جانب رجوع کر لے جو تیری بغل میں موجود ہے (تو تیرے تمام امراض و علل کا مداوا ہو جائے گا اور جملہ مسائل حل ہو جائیں گے۔") گویا جس طرح جبران خلیل جبران نے کہا تھا: "عقل سے روشنی حاصل کرو' اور جذبہ کے تحت حرکت کرو!" اسی طرح ہماری "اجتماعی توبہ" کا نسخہ یہ ہے کہ: "قرآن سے ایمان حاصل کرو' اور ایمان کے روغن سے جہد و عمل کی شمعیں روشن کرو!"

(۶) ایمانِ حقیقی کے لازمی اور منطقی نتیجے کو قرآن اکثر و بیشتر تو صرف "عمل صالح" کی نہایت جامع اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے لیکن کہیں اس کے مضمرات اور متضمنات کو کھول بھی دیتا ہے۔ جیسے سورۃ العصر میں عملِ صالح کے دو لوازم کو نمایاں طور پر بیان کر دیا یعنی "حق کی علمبرداری اور دعوت و اشاعت" اور "باہم ایک دوسرے کو صبر و مصابرت کی تلقین و نصیحت"۔ اور اس طرح گویا ضمنی طور پر ایک جماعتی زندگی کی اہمیت کو بھی اجاگر کر دیا۔ اسی

طرح کہیں قرآن ایمان کے جملہ عملی تقاضوں کو صرف ایک جامع اصطلاح "جہاد فی سبیل اللہ" سے تعبیر فرمادیتا ہے' تو کہیں اس کی تفصیل دس اصطلاحات کے ذریعے کرتا ہے جیسے کہ سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۲ میں تو وہ نو اوصاف بیان ہوئے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور اس سے قبل آیت ۱۱۱ میں اضافی اصطلاح "قتال فی سبیل اللہ" کے ذریعے "تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ" کے مصداق دس اوصاف کی تکمیل فرمادی۔ اس معاملے میں بھی اس حقیقت کا اعتراف و اظہار ضروری ہے کہ بحمد اللہ سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۲ میں بیان شدہ نو اوصاف میں سے بھی پہلے سات کا اہتمام تو بعض تصوف کے حلقوں کے علاوہ تبلیغی جماعت کے احباب بھی کر رہے ہیں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ۔

"نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری ؓ
کہ رسمِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دل گیری!"

کے مصداق یہ سب حضرات آخری دو اوصاف یعنی "بدی سے روکنے اور حدود اللہ کے محافظ بن کر کھڑے ہو جانے" کا بھی اہتمام کریں اور پھر اگر "نہی عن المنکر بِاللّسان" سے آگے بڑھ کر "نہی عن المنکر بِالیَد" کی عوامی تحریک کا مرحلہ بھی آجائے اور ضرورت داعی ہو تو نقدِ جان ہتھیلیوں پر رکھ کر اور اللہ کے دین کی غیرت و حمیت' اور حمایت و محافظت میں جانیں قربان کر دینے ہی کو حاصلِ زندگی اور مقصدِ حیات سمجھ کر میدان میں آجائیں اور اس طرح "اجتماعی توبہ" کا وہ حق ادا کرنے کی کوشش کریں جو اس عذابِ الٰہی کے سایوں کو دور فرمادے جو وطنِ عزیز کے افق پر گہرے سے گہرے ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اللہ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے ـــــ آمین!

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

الہدیٰ قسط: ۸۸

مباحثِ صبر و مصابرت
درس ۳

سیرتِ مطہرہ میں

صبر و مصابرت کے مختلف ادوار

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیم امّا بعدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○ وَاتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ لَامُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا○ وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْھُمْ تُرِیْدُ زِیْنَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوٰہُ وَکَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا○ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا اَحَاطَ بِھِمْ سُرَادِقُھَا وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ کَالْمُھْلِ یَشْوِی الْوُجُوْہَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا○ صدق اللّٰہ العظیم

ہمارا آج کا درس اگرچہ صبر اور مصابرت فی سبیل اللہ کے نقطۂ نگاہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے ایک خاص دور اور آپؐ کی سیرتِ مطہرہ کے ایک اہم باب کے مطالعے سے متعلق ہے تاہم اس کے لئے سورۃ الکہف کی یہ تین آیات (۲۷ تا ۲۹) عنوان کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

"اور تلاوت کرتے رہو (اس کلام کی) جو کہ وحی کیا گیا تمہاری جانب تمہارے پروردگار کی کتاب میں سے۔ اس کی باتوں کا بدلنے والا کوئی نہیں۔ اور تم اس کے سوا اپنے لئے

کوئی اور پناہ گاہ نہ پاسکو گے۔ اور روکے رکھو اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام، جو اس کی رضاجوئی ہی کے خواہاں ہیں۔ اور تمہاری آنکھیں ان سے متجاوز نہ ہوں دنیوی زندگی کی زینت کی طلب میں۔ اور مت کہنا مانو ان کا جن کے دلوں کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جو پیروی کر رہا ہے اپنی خواہشِ نفس کی اور اس کا معاملہ حدود سے تجاوز پر مبنی ہے۔ اور کہہ دو یہ سراسر حق ہے تمہارے رب کی جانب سے، تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ ہم نے تیار کی ہے ان ظالموں کے لئے ایک بڑی آگ، اس کی قناتیں انہیں اپنے گھیرے میں لیں گی۔ اور اگر یہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو کھولتے ہوئے تانبے کے مانند ہو گا، جو جھلس کر رکھ دے گا ان کے چہروں کو۔ بہت ہی بری ہو گی وہ پینے کی چیز اور بہت ہی برا ہو گا وہ انجام جس سے وہ دوچار ہونگے"۔

یہ بات سابقہ درس میں واضح کی جا چکی ہے اور ایسے بھی اس منتخب نصاب کے بحیثیتِ مجموعی مطالعے سے یہ بات بالکل مبرہن ہو چکی ہے کہ قرآن مجید کی دعوت ایک انقلابی دعوت ہے۔ دعوتِ ایمان یعنی اللہ، آخرت اور رسالت پر ایمان کی بنیاد پر ایک بھرپور انقلابی دعوت، بقول حالی۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادیؐ
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

پھر اس دعوت کی بنیاد پر ایک مضبوط جماعت کی تشکیل اور اس کی تربیت، پھر ماحول سے تصادم کا معاملہ، پھر اس تصادم کا مختلف ادوار سے گزر کر اللہ کے دین کے غلبے اور اس کے بالفعل نفاذ و قیام پر منتج ہونا، یہ ہے خلاصہ اور لبِّ لباب اس عملی جدوجہد کا جس کا نقشہ ہمیں سیرتِ طیبہ میں نظر آتا ہے اور جس کے خطوط ہمیں آیاتِ قرآنی میں ملتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محض دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت سے یہ معاملہ نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہے۔ مجرد دعوت و تبلیغ کے کام میں یا بدھ مت کے بھکشوؤں کے مانند صرف اخلاقی تعلیمات کی نشرواشاعت میں وہ مراحل نہیں آیا کرتے جو کسی انقلابی دعوت میں آتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا اٹھان آغاز ہی سے ایک انقلابی دعوت کا تھا۔ یہ بات اس سے قبل عرض کی جا چکی ہے کہ اس کے خلاف پہلا ردِ عمل اُس وقت کے ماحول کی جانب سے استہزا اور

تمسخر کی شکل میں ہوا، چٹکیوں میں بات کو اڑانے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے پہلی تلقین جو آنحضور ﷺ کو کی گئی وہ یہی تھی کہ اے نبی، جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس پر آپ صبر کیجئے، اسے جھیلئے اور ثابت قدم رہئے! وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاھْجُرْھُمْ ھَجْرًا جَمِیْلًا (سورۃ المزمل، آیت ۱۰)

سابقہ درس میں یہ بات بھی بیان ہوئی تھی کہ اگرچہ حضور ﷺ کی دعوت کا رخ اُس وقت کی سوسائٹی کے اعلیٰ ترین طبقات کی طرف تھا لیکن ابتداءً جن لوگوں نے اس دعوت پر لبیک کہا ان میں ایک بڑی تعداد غلاموں اور نوجوانوں کے طبقے سے تھی۔ چنانچہ اس معاشرے میں تشدد اور ایذا (PERSECUTION) کا اولین ہدف یہی دو طبقات بنے۔ تشدد اور ایذا رسانی کا یہ معاملہ سن چار تا چھ نبوی کے دوران اپنی پوری انتہا کو پہنچا اور اسی کے نتیجے کے طور پر مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت ملی۔ ہجرتِ حبشہ سے وقتی طور پر حالات میں بہتری پیدا ہوئی جیسے کہ کسی بوائلر سے اگر بھاپ خارج ہو جائے تو اس کے اندر کی ہلچل میں سکون کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ چونکہ بہت سے مسلمان ہجرت کر گئے لہٰذا کشمکش اور تصادم کی وہ فضا وقتی طور پر کچھ ٹھنڈی پڑی اور مختلف گھرانوں میں اہلِ ایمان پر تشدد کا جو معاملہ جاری تھا اس کی شدت میں کچھ کمی واقع ہوئی۔ لیکن اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ اب ساری مخالفت مرتکز ہو گئی خود محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر!

آنحضورؐ کی شخصی مخالفت

یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ وہ معاملہ بہرحال نہ ہو سکتا تھا جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا یا جو حضرت خباب رضی اللہ عنہ بن الارت اور آل یاسر رضی اللہ عنہم کے ساتھ پیش آیا۔ یہ بات روایات سے ثابت ہے کہ جس وقت آلِ یاسر رضی اللہ عنہم پر ابوجہل دست درازیاں کرتا اور انہیں تشدد کا نشانہ بناتا تھا، حضور ﷺ کا اگر ان کے سامنے سے گزر ہوتا تو آپ انہیں صبر اور استقامت کی تلقین فرماتے۔ گویا صبر کا وہ حکم جو آنحضورؐ کو اللہ کی جانب سے پیہم مل رہا تھا آپؐ اسی کو ان الفاظ میں آل یاسر رضی اللہ عنہم کی جانب منتقل فرما دیتے تھے کہ: "اِصْبِرُوْا یَا اٰلَ یَاسِر فَاِنَّ مَوْعِدَ کُمُ الْجَنَّۃ" کہ اے یاسر کے گھر والو، صبر کرو، اور

اطمینان رکھو کہ تمہارے وعدے کی جگہ جنت ہے۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ اس طرح کے جسمانی تشدد کا کوئی معاملہ شخصاً محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کرنا ممکن نہ تھا۔ اس کی وجہ بھی سمجھ لیجئے! دیکھئے اللہ تعالیٰ کی حکمت بھی کامل ہے اور قدرت بھی۔ وہ "فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ" ہے۔ وہ جو کرنا چاہتا ہے اس کے لئے مناسب حالات پیدا فرماتا ہے۔ جس طرح حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دولت حضور ﷺ کے ظاہری غنا اور خوشحالی کا سبب بن گئی (وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى) کہ مکے کی متمول ترین خاتون آپ کے حبالۂ عقد میں آئیں اور انہوں نے اپنا سب کچھ آپؐ کے قدموں میں ڈال دیا' اسی طرح حکمتِ خداوندی نے مکے کی اس قبائلی زندگی میں نبی اکرم ﷺ کو ایک اور اعتبار سے بھی تحفظ عطا فرمایا تھا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ سیرتِ مطہرہ کا یہ ایک اہم پہلو ہے کہ حضور ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی زندگی میں پورے قبیلۂ قریش میں بنو ہاشم کو ایک فیصلہ کن اہمیت اور حیثیت حاصل تھی۔ بنوہاشم کی سرداری کا منصب عبدالمطلب کو حاصل تھا جو بے پناہ شخصی وجاہت کے حامل تھے۔ ان کے انتقال کے بعد حضور ﷺ کے تایا زبیر جانشین ہوئے اور بنی ہاشم کے سردار قرار پائے۔ اکثر لوگ اس بات سے لاعلم ہیں کہ کہ دادا کے انتقال کے بعد حضور ﷺ کی کفالت اصلاً آپؐ کے تایا زبیر نے کی۔ وہ بھی اپنی ذاتی شخصیت کے اعتبار سے اس حیثیت کے مالک تھے کہ انہوں نے بنو ہاشم کی سیادت کو برقرار رکھا۔ ان کے انتقال کے بعد بنو ہاشم میں شخصی وجاہت اور ذاتی حیثیت کے اعتبار سے کوئی ایسا شخص موجود نہ تھا کہ جو قریش میں بنو ہاشم کی سیادت کا سکہ منوالیتا۔ بہرحال وہ سیادت جیسی کچھ بھی تھی' ابو طالب کے ہاتھ آئی۔ ابو طالب اگرچہ نبی اکرم ﷺ پر مرتے دم تک ایمان نہیں لائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں حضور ﷺ کی ایک طبعی محبت انتہائی درجے میں جاگزیں کردی تھی' جس کی وجہ سے خاندان بنی ہاشم کا تعاون یا یوں کہہ لیجئے کہ ان کی جانب سے ایک حمایت جو اس قبائلی معاشرے میں بڑی اہمیت کی حامل تھی' نبی اکرم ﷺ کو حاصل رہی۔ چنانچہ مشرکینِ مکہ کے لئے نبی اکرم ﷺ کے خلاف اس طرح کا معاملہ کرنا ممکن نہ تھا جس طرح کہ حضرت بلالؓ یا حضرت خبابؓ بن الارت یا آلِ یاسرؓ کے ساتھ ہوا۔ اِکا دُکا واقعات ملتے ہیں' مثلاً ایک مرتبہ آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے' ابو جہل کچھ فاصلے پر موجود تھا' اس نے اپنے ہم نشینوں سے یہ بات کہی

کہ ہے کوئی شخص جو ان کی خبر لے! عقبہ ابن ابی معیط اٹھا اور اس نے ایک چادر کو بل دے کر اسے ایک پھندے کی شکل میں حضور ﷺ کے گلے میں ڈالا اور اس کے دونوں سروں کو اس طرح کھینچا کہ حضور ﷺ کی آنکھیں ابل آئیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو وہ دوڑے ہوئے آئے۔ انہوںؓ نے فرمایا: "اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ" بدبختو' کیا تم ایک شخص کو صرف اس جرم کی پاداش میں قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ لوگوں نے حضور ﷺ کو تو چھوڑ دیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پیٹنا شروع کیا۔ اتنا مارا کہ یہ سمجھ کر چھوڑا کہ اب یہ ہلاک ہو چکے ہیں۔ اسی طرح کا ایک اور معاملہ بھی پیش آیا حضور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے' ابو جہل نے اسی عقبہ ابن ابی معیط کو اشارہ کیا اور وہ ایک اونٹ کی نجاست بھری اوجھڑی اٹھا کر لایا اور جب حضور ﷺ سجدے میں گئے تو اس نے وہ اوجھڑی آپؐ کی گردن پر رکھ دی۔ اس طرح کی ایذا رسانی اور اس نوع کے معاملات اکا دکا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ پیش آتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ صبح آپ ﷺ گھر سے نکلتے تو ابو لہب اور اس کی بیوی آپؐ کے دروازے کے سامنے کانٹے بچھا دیتے تھے' یا یہ کہ آپؐ کسی گلی سے گزر رہے ہیں اور کسی نے اوپر سے راکھ یا خاک آپؐ کے سر پر ڈال دی۔

ایک نیا جال

اس قسم کے بعض واقعات تو یقیناً ہوئے لیکن ہجرتِ حبشہ کے بعد ان میں ایک نئی کیفیت کا اضافہ ہوا۔ اور وہ یہ کہ جب لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ یہ بات کسی طریقے سے بھی رک نہیں رہی' ہمارے تشدد کے نتیجے میں کوئی ایک شخص بھی اس نئے دین سے واپس نہیں لوٹا' تو انہوں نے ایک کام تو یہ کیا کہ لالچ کا پھندا پھینکا۔ ابو طالب کے پاس آئے کہ اگر تمہارا بھتیجا بادشاہی چاہتا ہے تو ہم اسے اپنا بادشاہ بنانے کو تیار ہیں' اگر اسے کچھ دولت کی خواہش ہے تو ہم اس کے قدموں میں دولت کا انبار لگا دیں گے' اگر اسے کسی جگہ نکاح کرنا ہو تو اشارہ کرے' عرب کے جس گھرانے میں وہ چاہے ہم شادی کرا دیں گے۔ ہم اس کا ہر مطالبہ ماننے کے لئے تیار ہیں لیکن کسی طریقے سے تم اس دعوت سے اسے روکو۔ ابو طالب نے حضور ﷺ کو

بلایا، ساری بات سامنے رکھی، حضورؐ کی عزیمت دیکھئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں تب بھی میں اس دعوت سے باز نہیں آسکتا۔

ابو طالب پر قریش کا دباؤ

لالچ (TEMPTATION) کے پھندے سے بھی جب آپ ﷺ صاف بچ نکلے تو پھر ابو طالب کو دھمکی دی گئی کہ ہمارے صبر کا پیانہ لبریز ہو رہا ہے، اب یا تو تم اپنے بھتیجے کی حمایت سے دستکش ہو جاؤ یا اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، ہم نپٹ لیں گے، لیکن اگر تمہارا فیصلہ یہ ہے کہ تم حسب سابق خاندانی سطح پر محمد (ﷺ) کی پشت پناہی اور حمایت برقرار رکھو گے تو پھر ٹھیک ہے، کھلے میدان میں آؤ، اب بنی ہاشم کا اور قریش کے بقیہ گھرانوں کا کھلا تصادم ہو گا۔ ابو طالب نے گھبرا کر نبی اکرم ﷺ کے سامنے یہ بات بھی رکھی اور ساتھ ہی یہ کہا کہ بھتیجے مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے میں برداشت نہ کر سکوں۔ گویا ابو طالب کی ہمت بھی جواب دیتی نظر آئی، محسوس ہو رہا تھا کہ قریش کی طرف سے اس متحدہ چیلنج کو قبول کرنا ان کے لئے ممکن نہیں ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ روایات میں آتا ہے کہ شدتِ تأثر سے حضور ﷺ کی آنکھیں نم ہو گئیں کہ یہ ایک دنیوی سہارا جو اب تک حاصل تھا شاید یہ بھی اب ساتھ چھوڑ رہا ہے۔ لیکن نہایت پُر عزم لہجے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ چچا جان، خدا کی قسم یا تو میں اس کام میں اب ہلاک ہو جاؤں گا اور یا اللہ اس کام کو پورا کرے گا، اس سے قدم پیچھے ہٹانے کا کوئی سوال نہیں! اللہ نے اس موقع پر ابو طالب کو بھی ہمت عطا فرمائی، انہوں نے کہا کہ پھر ٹھیک ہے، بھتیجے میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔

شعبِ بنی ہاشم

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قریش کی جانب سے اب نبی اکرم ﷺ اور بنی ہاشم کے خلاف ایک متفقہ اقدام ہوا جس کے نتیجے میں یہ طے کیا گیا کہ بنی ہاشم سے کامل مقاطعہ کیا جائے۔ کوئی خرید و فروخت، کوئی لین دین اب ان کے ساتھ نہ کیا جائے اور ہر نوع کا تعلق منقطع کر لیا جائے۔ یہ ایک نوع کا SOCIOECONOMIC بائیکاٹ تھا جس نے تین سال کی ایک قید کی شکل

اختیار کی۔ سن سات نبوی سے شروع ہو کر سن دس نبوی تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ایک گھاٹی میں جسے شعب بنی ہاشم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے' یہ خاندان بنو ہاشم محصور و مقید تھا۔ مکمل ناکہ بندی تھی' کوئی چیز اندر داخل نہیں ہو سکتی تھی' کوئی لین دین ممکن نہیں تھا۔ کچھ نیک دل لوگ کہیں رات کی تاریکیوں میں چھپ چھپا کر کبھی کبھار کھانے پینے کی کوئی چیز پہنچانے میں کامیاب ہو جاتے تھے ورنہ یہ کہ پورا پہرا موجود تھا۔ یہ ہے سخت ترین قید کی وہ کیفیت کہ جس کے دوران ایسا وقت بھی آیا کہ اس "وادیٔ غیر ذی زرع" میں جو جھاڑیاں وغیرہ تھیں ان کے پتے چٹ کر لئے گئے' نوبت یہاں تک پہنچی کہ بنی ہاشم کے بلبلاتے بچوں کو اس کے سوا اور کچھ میسر نہیں تھا کہ سوکھے چمڑے ابال کر ان کا پانی ان کے حلق میں ٹپکا دیا جائے۔ بہرحال نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے ساتھ خاندان بنی ہاشم نے اس سختی کو جھیلا اور برداشت کیا۔ یہ اسی صبر و مصابرت کا معاملہ تھا کہ مقابلے میں ہاتھ نہیں اٹھائے جا رہے لیکن اپنے موقف پر اسی طرح ڈٹے ہوئے ہیں کہ ایک انچ پیچھے ہٹنے کا کوئی سوال نہیں۔

کچھ صلح پسند اور نیک دل لوگوں کی مداخلت سے سن دس (۱۰) میں یہ مقاطعہ ختم ہوتا ہے۔ اخلاقی طور پر کفار کو اس معاملے میں شکست ہوئی۔ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے موقف میں کوئی نرمی اور کوئی لچک پیدا نہیں کی' آپ ﷺ نے اور آپؐ کے خاندان نے ہر سختی کو جھیلا اور تکلیف کو برداشت کیا' بالآخر یہ مقاطعہ ختم ہوا۔

شخصی ابتلاء کا نقطۂ عروج: یومِ طائف

لیکن اب لوگوں کی طرف سے ڈالی ہوئی آزمائش کا سلسلہ کچھ کم ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک براہ راست آزمائش ابھی آپ کی منتظر تھی۔ اس پہلو سے گویا شخصاً نبی اکرم ﷺ کے لئے آزمائش کا معاملہ نقطۂ عروج کو پہنچ گیا۔ سن دس (۱۰) میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا بھی انتقال ہو جاتا ہے اور ابو طالب کا بھی۔ گھر میں دلجوئی کرنے والی رفیقۂ حیات تھی' وہ بھی نہ رہی اور خاندانی اعتبار سے سہارا دینے والا ایک پشت پناہ تھا' ابو طالب' وہ بھی رخصت ہوا۔ سردارانِ قریش کے حوصلے یکدم بلند ہو گئے۔ مشورے ہونے لگے' اب وقت ہے کہ آخری فیصلہ کر ڈالا جائے' آخری اقدام اب کر دیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ اس صورت حال کو دیکھ کر

مکے سے مایوس ہو کر طائف کا سفر کرتے ہیں۔ عام راستہ آپؐ نے اختیار نہیں کیا' اندیشہ تھا کہ آپؐ کی جان لینے کی کوشش کی جائے گی۔ چنانچہ ایک نہایت دشوار گزار راستہ اختیار کیا۔ صرف ایک غلام' حضرت زیدؓ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ طائف پہنچ کر آپؐ نے وہاں کے جو تین بڑے سردار تھے ان تینوں سے ملاقات کی' لیکن ہر طرف سے انتہائی دل کو توڑ دینے والا جواب سننے کو ملا۔ سب نے استہزا' تمسخر اور مذاق کا نشانہ بنایا۔ ایک نے نہایت تمسخر آمیز لہجے میں کہا (معاذاللہ' نقلِ کفر کفر نباشد) کہ میں تم سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا' اگر تم جھوٹے ہو تو منہ لگانے کے قابل نہیں اور اگر سچے ہو تو ہو سکتا ہے میں کہیں توہین کر بیٹھوں اور اللہ کے نبی کی توہین میرے لئے وبالِ جان بن جائے' لہٰذا آپ تشریف لے جایئے!! کسی نے کہا کہ کیا اللہ کو آپ کے سوا کوئی نہیں ملا تھا نبوت اور رسالت کے لئے؟ اس طرح کے دل توڑ دینے والے اور جگر چھلنی کر دینے والے جواب سن کر نبی اکرم ﷺ لوٹنے کا ارادہ فرما رہے تھے کہ وہ لوگ کچھ اوباش لوگوں کو اشارہ کرتے ہیں کہ ذرا ان کی خبر لو۔ پھر وہ نقشہ جمتا ہے جس کو بیان کرتے ہوئے زبان لڑکھڑاتی ہے۔ طائف کی گلیاں ہیں' اللہ کا رسولؐ ہے اور بعینہٖ وہی نقشہ ہے جو ہماری آبادیوں میں کبھی کبھار دیکھنے میں آتا ہے کہ جیسے کوئی دیوانہ شخص ہو اور اوباش چھوکرے چاروں طرف سے اسے کنکریاں مار رہے ہوں' ہنسی مذاق ہو رہا ہو' فقرے چست کئے جا رہے ہوں۔ طائف کی گلیوں میں محمد رسول اللہ ﷺ پر پتھر برسائے جا رہے ہیں' خاص طور پر ٹخنوں کی ہڈیوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے جس کے تصور ہی سے لرزہ طاری ہوتا ہے' جسمِ مبارک لہولہان ہو گیا ہے' خون بہہ رہا ہے اور نعلین میں آ کر جم گیا ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ نقاہت کی وجہ سے آپؐ بیٹھ جاتے ہیں تو غنڈے آگے بڑھتے ہیں' ایک داہنی بغل میں ہاتھ ڈالتا ہے دوسرا بائیں میں' اٹھا کر کھڑا کر دیتے ہیں کہ چلو!! طائف کی گلیوں میں کیا کچھ نہیں ہوا حضور ﷺ کے ساتھ!...... گویا۔

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری
تنہا پسِ زنداں کبھی رسوا سرِ بازار

کئی برس بعد مدنی دور میں ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ کیا آپ (ﷺ) پر یوم احد سے زیادہ سخت بھی کوئی دن گزرا ہے۔ اس لئے کہ انؓ کی ہوش میں حیاتِ

طیبہ کا سخت ترین دن یومِ احد تھا جس میں آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے، زیادہ خون بہہ جانے کے باعث ضعف و نقاہت سے آپؐ پر بے ہوشی بھی طاری ہوئی، آپؐ کے انتہائی قریبی عزیز اور جان نثار ساتھیوں کی لاشیں آپؐ کی نگاہوں کے سامنے آئیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اسی حوالے سے آپؐ سے سوال کیا تھا کیا اس سے بھی زیادہ کوئی سخت دن آپؐ پر گزرا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، طائف کا دن مجھ پر اس سے کہیں زیادہ بھاری تھا۔ اُحد کے دامن میں تو وہ جان نثار بھی آپؐ کے ساتھ تھے جنہوں نے آپؐ کی حفاظت کے لئے جسموں کو ڈھال بنایا ہوا تھا۔ طائف میں سوائے ایک غلام کے اور کوئی آپؐ کے ساتھ نہیں تھا۔ گویا آپؐ بالکل یکہ و تنہا تھے اور طائف کی گلیوں میں نقشہ وہ جما جس کے تصور سے لرزہ طاری ہوتا ہے۔ چنانچہ طائف سے واپسی پر ایک جگہ آپؐ آرام کے خیال سے ذرا بیٹھے تو اُس وقت آپؐ کی زبان پر جو دعا آئی اس نے یقیناً عرش کو ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔ "اَللّٰھُمَّ اِلَیکَ اَشکُو ضُعفَ قُوَّتِی وَقِلَّۃَ حِیلَتِی وَھَوَانِی علَی النَّاسِ" اے اللہ تیری ہی جناب میں شکوہ لے کر آیا ہوں اپنی قوت کی کمی کا، اپنے وسائل و ذرائع کی قلت کا اور اس اہانت و رسوائی کا جو لوگوں کے سامنے ہوئی۔ "اِلٰی مَن تَکِلُنِی" اے پروردگار، تو نے مجھے کس کے حوالے کر رکھا ہے۔ "اِلٰی بَعِیدٍ یَجھَمُنِی اَو اِلٰی عدوٍّ ملکتَ اَمرِی" کیا میرا معاملہ دشمن کے حوالے کر دیا ہے کہ جو چاہے میرے ساتھ کر گزرے؟ "اِن لَم یَکُن علیَّ غضبُکَ فَلا اُبالی" اگر تو ناراض نہیں ہے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اگر تجھے یہی منظور ہے، یہی پسند ہے تو سرِ تسلیم خم ہے۔ "اَعُوذُ بِنُورِ وَجھِکَ الَّذِی اشرقت لہُ الظُّلُمٰتُ" پروردگار میں تیرے ہی روئے انور کی ضیا کی پناہ میں آتا ہوں جس سے تمام تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔

یومِ طائف کے حوالے سے مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے بہت صحیح نکتہ بیان کیا ہے کہ شخصی اور ذاتی اعتبار سے طائف کا یہ دن محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ گویا آنحضور ﷺ کی ذات کی حد تک ابتلاء و آزمائش کا معاملہ اس آخری انتہا کو پہنچ گیا جس کا ذکر سورۃ البقرہ کی آیت ۲۱۴ میں آیا ہے: "مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ

اللّٰہِ قَرِیۡبٌ" یہ ابتلاء و آزمائش کا وہ نقطۂ عروج ہے جس کے بعد اللہ کی مدد آتی ہے' چنانچہ روایات میں آتا ہے اسی وقت ملک الجبال' یعنی وہ فرشتہ جو پہاڑوں پر مامور ہے' آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا' اس نے عرض کیا کہ اللہ نے مجھے بھیجا ہے' اگر آپؐ حکم دیں تو میں طائف کے چاروں طرف کے پہاڑوں کو آپس میں ٹکرادوں کہ طائف کے رہنے والے سرمہ بن جائیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں' کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان کی آئندہ نسلوں کو ہدایت سے نواز دے اور انہیں اسلام لانے کی توفیق عطا فرمادے۔ بہرحال یوم طائف نبی اکرم ﷺ کے لئے ذاتی اعتبار سے سخت ترین دن تھا کہ اس روز صبر و مصابرت کا مرحلہ آپؐ کے لئے گویا نقطۂ عروج پر پہنچ گیا تھا۔ پھر اسی سال آپ کی رفیقۂ حیات ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا بھی انتقال ہو گیا اور دنیا میں سہارا دینے والے چچا ابو طالب بھی انتقال کر گئے۔ چنانچہ سن دس نبوی کو حضورؐ نے عام الحزن سے تعبیر کیا یعنی رنج و غم اور افسوس کا سال۔

طائف سے واپس جب آپؐ مکے پہنچے تو حالات اتنے مخدوش تھے کہ مکے میں داخلہ ممکن نہ تھا۔ آپؐ نے مکہ کے ایک مشرک سردار مطعم بن عدی کو پیغام بھیجا کہ اگر تم مجھے اپنی پناہ میں لے لو تو میں مکے میں داخل ہو سکتا ہوں۔ اس نے کہا کہ ٹھیک ہے' میں آپؐ کو حمایت کا یقین دلاتا ہوں۔ حضورؐ نے دوبارہ پیغام بھجوایا کہ اس طرح نہیں' تم خود آؤ اور مجھے لے کر جاؤ۔ حالات اس درجے ناموافق اور ناساعد ہو چکے ہیں کہ مطعم بن عدی اپنے چھ بیٹوں کو لے کر ہتھیار لگا کر آتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کو لے کر مکہ میں داخل ہوتا ہے۔ اس کے بعد البتہ حالات کا رخ بدلتا ہے اور بظاہر مایوسی و ناامیدی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں امید کے دیئے روشن ہونے لگتے ہیں!

(جاری ہے) "

بقیہ: رفتار کار

بقیہ: رفتار کار

لئے بلیک بورڈ کی مدد لی گئی۔ ہر نماز کے بعد ایک حدیث سنانے کا اہتمام بھی کیا گیا۔ اس تربیت گاہ سے نہ صرف رفقاء و احباب کے علم میں اضافہ ہوا بلکہ انہیں ایک دوسرے کے قریب آنے اور باہمی تبادلہ خیالات کا موقع بھی ملا۔ کھانا بھی اکٹھے کھایا گیا اور سوئے بھی ایک ساتھ۔ تربیت گاہ کے اختتام پر تین احباب نے تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔

(مرتب: ڈاکٹر محمد طاہر خاکوانی)

دجّالی فتنے کی علامات☆

احادیثِ نبویہؐ کی روشنی میں

صحاحِ ستہ میں فتنۂ دجّال کے ضمن میں بہت سی روایات حضرات عبداللہ ابن عباس' عبداللہ ابن عمر' ابو سعید خدری اور ابوالدرداء (رضی اللہ عنہم اجمعین) جیسے جلیل القدر صحابہ سے مروی ہیں۔ ان روایات میں دجالی فتنہ سے حفاظت کے لئے سورۂ کہف کی ابتدائی آیات کی تلاوت مددگار اور مفید بتلائی گئی ہے۔ بعض روایات میں اس سورۂ مبارکہ کی ابتدائی اور آخری آیات کا تذکرہ ہے' جبکہ بعض میں مطلقاً دس آیات کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ الغرض سورۂ کہف کا دجالی فتنہ کے ساتھ ایک خاص تعلق ثابت ہے۔ علاوہ ازیں روایات میں ان مظاہرو آثار اور اثراتِ مابعد کی نشاندہی بھی موجود ہے جنہیں ہم دورِ فتنہ کے اوصاف یا اس خاص کیفیاتی فضا کی پہچان کا نام دے سکتے ہیں۔ آیئے ان اوصاف اور علامات کو باری باری زیرِ توجہ لائیں۔

احادیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ دجالی فتنے کے دور میں انسان کو قواعدِ طبعیہ یعنی کائناتی قوتوں پر غیر معمولی قبضہ اور اختیار حاصل ہو جائے گا اور وہ ان قوتوں پر ایسے متصرف ہو گا جیسے انبیاء کرام کو معجزے عطا ہوئے تھے۔ یعنی کچھ ویسی ہی کیفیات' جو اللہ کی شان کریمی کے اظہار میں انبیاء کو معجزات کی صورت میں عطا ہوئی تھیں' انسان کے ہاتھوں رونما ہونا شروع ہو جائیں گی۔ مثلاً پہلی بات یہ فرمائی گئی کہ دجّال کے لئے فاصلہ بے معنی ہو جائے گا اور اس کو انتہائی تیز رفتاری پر قدرت حاصل ہو جائے گی۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: کَالغَیثِ استدبرتہ الریح (مسلم' ابوداؤد' ترمذی' عن النواسؓ بن سمعان) یعنی وہ ایسے طوفانی سیلاب کی مانند

☆ "فتنہ دجال" کے نام سے امیر تنظیم اسلامی کی تقاریر پر مشتمل ایک سلسلہ مضمون کا آغاز چند ماہ قبل کیا گیا تھا جسے بوجوہ جاری نہ رکھا جاسکا۔ اس سلسلہ کا پہلا مضمون مارچ کے شمارے میں شائع ہوا تھا' زیرِ نظر مضمون کو اسی کا تسلسل قرار دیا جاسکتا ہے۔

آئے گا جیسے زور دار آندھی کا جھکڑ آیا کرتا ہے۔ بطورِ مثال ہم سائیکلون کا تصور کر سکتے ہیں۔ جس طرح ہوا کا بے پناہ تیز رفتار جھکڑ سمندروں کو خشکی پر پٹختے ہوئے آبادیوں کی آبادیاں روند ڈالتا ہے بعینہٖ وہ فتنہ بھی آناً فاناً زور پکڑے گا (اور دلوں میں ایمان و یقین کو روند ڈالے گا) صحیح مسلم کی ایک دوسری حدیث میں دجال کا یہ دعویٰ نقل کیا گیا ہے: فلا ادع قریۃً الّا ھبطتُھا فی اربعین لیلۃٍ غیرَ مکۃ و طیبۃ ("میں کوئی بستی سوائے مکہ اور مدینہ کے ایسی نہیں چھوڑوں گا جہاں چالیس دن کے اندر اندر اتر نہ جاؤں")۔ یعنی دنیا کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی آبادی بھی ایسی نہیں ہو گی جہاں یہ فتنہ زیادہ سے زیادہ چالیس دن کے اندر اندر رسائی حاصل نہ کر لے۔

احادیث میں اس کی سواری کو ایک ایسے خچر سے تعبیر کیا گیا ہے جس کی تیز رفتاری کا یہ عالم ہو گا کہ اس کا ایک قدم اگر مکہ سے اٹھے گا تو دوسرا قدم شام میں جا کر پڑے گا۔ اس کے دونوں کانوں کے درمیان فاصلہ چالیس ہاتھ کا ہو گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبے میں وارد شدہ الفاظ کے مطابق اس کا ایک کان تیس ہاتھ لمبا ہو گا۔ یہاں غور کیا جائے تو روایات میں وارد شدہ ان تشبیہات کی روشنی میں اس خچر کی یہ تمام خصوصیات ہوائی جہاز پر بالکل ٹھیک منطبق ہوتی ہیں۔ رہی اس کو خچر کا نام دینے کی بات تو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ آج سے چودہ صدیاں قبل ایک انتہائی تیز رفتار سواری کے تصور کو واضح کرنے کے لئے اس کے علاوہ بھلا اور کونسا انداز مناسب ہو سکتا تھا؟

اسی طرح آواز کا معاملہ ہے۔ بتایا گیا ہے کہ دجال کی آواز چہار دانگِ عالم میں بیک وقت سنی جا سکے گی۔ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ وہ ایک ایسی آواز میں صدا دے گا جسے مشرق و مغرب کے مابین رہنے والا ہر شخص سنے گا۔ گویا اس کی آواز کے لئے فاصلوں کے پردے بے معنی ہوں گے اور یہ آواز مشرق و مغرب یعنی پوری دنیا میں سنی جائے گی۔ بعض روایات میں علاج معالجہ اور عملِ جراحی کی حیرت انگیز ترقی اور انتہائی عروج کا تذکرہ ہے اور اس کے لئے ویسے ہی الفاظ آئے ہیں جو قرآن مجید میں حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کے ضمن میں ذکر ہوئے ہیں۔ قرآن حکیم میں حضرت مسیحؑ کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: "اُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ" یعنی "میں مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو ٹھیک کر دیتا ہوں"۔ حضرت مسیحؑ ہاتھ

پھیرتے تھے تو اندھے کو بینائی اور کوڑھی کو شفاء مل جاتی تھی۔ حدیث میں اسی طرح کے الفاظ دجال کے لئے بھی آئے ہیں کہ اس کو بھی کچھ ایسی ہی قدرت حاصل ہو گی۔ پھر حضرت مسیح علیہ السلام کو "احیاءِ موتیٰ" کا معجزہ عطا ہوا تھا۔ قرآن حکیم میں آپؑ کے الفاظ ذکر ہوئے ہیں: "وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ" یعنی "اور میں اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیتا ہوں"۔ چنانچہ آپؑ مردے سے مخاطب ہو کر فرماتے تھے کہ "قُم بِاِذْنِ اللّٰہ" یعنی "اللہ کے حکم سے اٹھ کھڑے ہوا" اور وہ مردہ زندہ ہو کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ اسی سے مشابہ قدرت دجال کو بھی حاصل ہو جائے گی۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

فیؤشر بالمنشار من مفرقہ حتی یفرق بین رجلیہ ثم یمشی الدجال بین القطعتین ثم یقول لہ: قم فیستوی قائمًا (مسلمؒ عن ابی سعید الخدریؓ)

"پھر وہ (دجال) آرا لے کر اس (بندۂ مومن) کے سر کے درمیان سے چیرنا شروع کرے گا' یہاں تک کہ اس کی دونوں ٹانگوں کو الگ الگ کر دے گا' پھر وہ (اس کے جسم کے) ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان چلے گا' پھر اس سے کہے گا: اٹھ کھڑا ہو تو وہ اٹھ کر سیدھا کھڑا ہو جائے گا"۔

اس سے ہمیں یہ اشارہ ملتا ہے کہ دجالی فتنہ کے دور میں میڈیکل سائنس اور سرجری کا علم اپنی ان بلندیوں کو پہنچ چکا ہو گا اور انسان کی رسائی کا دائرہ ان حدود کو چھو لے گا جو آج سے چودہ سو برس پیشتر مافوق الفطرت متصور ہوتی تھیں۔

زمین اور فضا پر انسان کے غلبہ' قوت اور اختیار کا یہ عالم ہو گا کہ وہ آسمان کو بارش برسانے کا حکم دے گا تو بارش برسے گی' زمین کو فصلیں اگانے کا کہے گا تو وہ فصلیں اگائے گی' زمین سارے خزانے اس کے حکم سے نکال باہر کرے گی۔ چنانچہ حدیث مبارک کے الفاظ ہیں:

یأمُرُ السّماء فتمطر' والارض فتنبت ...... ویمرّ بالخربۃ فیقول لھا: اخرجی کنوزک فتتبعہ کنوزھا (مسلمؒ' ابوداودؒ' ترمذیؒ' عن النواسؓ بن سمعان)

"وہ آسمان کو حکم دے گا تو وہ بارش برسائے گا اور زمین کو حکم دے گا تو وہ فصلیں اگائے گی ...... اور وہ کھنڈرات سے گزرے گا تو ان سے کہے گا: اپنے خزانے باہر نکالو! تو

وہاں کے خزانے نکل کر اس کے ساتھ چلنا شروع ہو جائیں گے"۔

ایک روایت میں سائنسی ارتقاء کی بہت واضح نشاندہی اس طرح فرمائی گئی ہے کہ دجال کے ہمراہ ایسے شیاطین ہوں گے جو لوگوں کے فوت شدہ آباء و اجداد' ماؤں دادیوں اور جانے پہچانے لوگوں کی صورتوں کے حامل ہوں گے۔ پھر یہ شیاطین لوگوں کے پاس آ کر فوت شدہ لوگوں کے حوالے سے ہی اپنا تعارف کرائیں گے۔ کوئی شیطان کسی آدمی کے پاس آ کر کہے گا: کیا تم مجھے پہچانتے نہیں ہو؟ کیا میں تمہارا فلاں رشتہ دار نہیں ہوں؟ تو لوگ اقرار کریں گے کہ ہاں' یہ واقعی وہی لوگ ہیں۔

ان سب احادیث کا ماحصل یہ ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ان بلندیوں کا' جو معجزات جیسے عوامل کو انسان کے زیرِ تصرف لانے کی اہلیت رکھتی ہیں' انسان کے زیرِ قدرت آ جانا درحقیقت اس دور اور اس کیفیت کی پہچان کے لئے راہنمائی ہے جس کو دورِ دجالیت یا بالفاظ دیگر انسانیت کی تاریخ کا عظیم ترین فتنہ قرار دیا گیا ہے۔ آیئے اب ہم جدید دور کے حوالے سے ان علامات کے انطباق کا تفصیلی مشاہدہ کریں۔

جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ آج سے چودہ سو برس قبل کی زبان اور اس کی روزمرہ کی اصطلاحات کے حوالے سے اگر غور کیا جائے تو یہ تمام علامات اسی ترقی یافتہ عصرِ حاضر کی جانب گویا انگلی اٹھا کر اشارہ کر رہی ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ دورِ دجالیت کی معینہ سواری (خچر یا گدھا) آج کا ہمارا ہوائی جہاز ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس کے ریڈار اس کے پروں کے کناروں پر ہوتے ہیں اور یہی اس کے "کان" ہیں۔ اس کی لمبائی چوڑائی پر غور کرنے سے اس کے دونوں کانوں کے درمیانی فاصلہ کے تعین کی بھی تائید ہوتی ہے۔ ہوائی جہاز کی رفتار کا اندازہ "سپرسانک" کے لفظ سے ہی بخوبی ہو جاتا ہے۔ اس کی ہیبت اور گرج کا اندازہ کرنے کے لئے صرف یہ مشاہدہ کافی ہے کہ کنکارڈ نامی سپرسانک طیارے کے ٹیک آف اور لینڈنگ کے دباؤ کو ایشیا کے شاید کسی بھی ایئرپورٹ کا رن وے برداشت نہیں کر سکتا۔ اب اگر اس کے پہلے اور دوسرے قدم کے حوالے سے دیکھیں تو ان میں ہزاروں کلومیٹر کا بُعد دکھائی دیتا ہے جو مکہ اور شام کے درمیانی فاصلے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس اعتبار سے تو یہ علامت گویا آج سے تقریباً تیس چالیس برس قبل ہی ظہور پذیر ہو چکی تھی جب ہوائی جہاز کی اڑان اس قدر زیادہ

فاصلوں پر محیط نہیں ہوئی تھی۔

اسی طرح عصر حاضر میں میڈیکل سائنس اور سرجری کا ارتقاء بھی متعلقہ علامت کی واضح تائید کا مظہر ہے۔ اس وقت ایسی مثالیں موجود ہیں کہ انسانوں کو "Human Vegetable" کی صورت میں سالہا سال تک ایسی کیفیت میں زندہ رکھا جا رہا ہے کہ خوراک دی جا رہی ہے اور دل کی دھڑکن رواں ہے۔ دوسری طرف سرجری کا جائزہ لیں تو ہم جانتے ہیں کہ کاٹے جانے اور پھر جوڑ دینے کا تجربہ جانوروں پر تو ثابت بھی ہو چکا ہے اور انسانوں میں اعضاء کی پیوند کاری جس طرح آج ہو رہی ہے اس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پھر "Freezing Method" استعمال کر کے آج وہ کچھ کیا جا رہا ہے جو کبھی صرف معجزات کی صورت میں انسان کے مشاہدے میں آیا کرتا تھا۔ اسی طرح اگر یہ معجز نمائی دیکھنا ہو کہ لق و دق صحرا میں' جہاں زمین پر ایک پتہ تک اگنے کے آثار نہ ہوں' لہلہاتے ہوئے چمن وجود میں آ جائیں تو آج سعودی عرب اور امارات میں اس کی عملی مثالیں موجود ہیں۔ اگرچہ اس ٹیکنالوجی کی ابتداء اسرائیل میں ہوئی تھی مگر اب تو سعودی عرب میں بھی یہ کیفیت ہے کہ اگر ریاض اور جدہ کے درمیان فضائی سفر کیا جائے تو جگہ جگہ دائروں کی صورت میں ایسے سرسبز و شاداب قطعات اور باغات دکھائی دیتے ہیں جہاں مصنوعی آب پاشی کے ذریعے نہایت عمدہ فارموں کی شکل میں اعلیٰ درجے کی کاشت ہو رہی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں ہونے والی آب پاشی کی تیکنیک کا انداز ایک خاص قسم کے Wheels پر مبنی ہے جو ایک دائرے میں مصنوعی بارش کا سماں باندھتے ہیں۔

مزید یہ کہ بادلوں سے بھی مصنوعی طریقے سے بارش حاصل کر لینا آج کی سائنس میں ایک بڑا عام فہم سا تصور ہو گیا ہے۔ ہوا کے دباؤ میں کمی بیشی یعنی Atmos pheric Conditions میں تبدیلی کے نتیجے میں بارش آ جاتی ہے اور اس کا تجربہ دنیا میں اتنی بار ہو چکا ہے کہ یہاں اس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے۔

اسی طرح آواز کے لئے فاصلے ختم ہو جانے کی علامت کا مشاہدہ کرنے پر دکھائی دیتا ہے کہ ٹیلیفون اور ریڈیو کی صورت میں اس علامت کا ظہور تو گویا اب ایک قصۂ پارینہ ہے۔ اب ٹی وی اور سیٹلائٹ کے ذریعے آواز کے ساتھ ساتھ صورتوں کی ترسیل بھی شرق و غرب کے درمیان فاصلوں کو ختم کر چکی ہے۔ پھر مرے ہوئے لوگوں کی حرکات و سکنات کرنے والے

(باقی صفحہ ۷۹ پر)

حسن انتخاب

امت کی وحدت اور یکجہتی

علماء کرام کے لیے لمحۂ فکریہ اور ان کے کرنے کا اصل کام

مفتی محمد شفیعؒ کی معرکۃ الآراء تصنیف 'وحدت امت' کی تلخیص

اہلِ نظر و فکر سے یہ بات مخفی نہیں کہ اس وقت دنیا کے ہر خطہ اور ہر ملک میں مسلمان جن مصائب اور آفات میں مبتلا ہیں ان کا سب سے بڑا سبب آپس کا تفرقہ اور خانہ جنگی ہے ورنہ عددی اکثریت اور مادی اسباب کے اعتبار سے پوری تاریخ اسلام میں کسی وقت بھی مسلمانوں کو اتنی عظیم طاقت حاصل نہیں تھی جتنی آج ہے۔

اس تفرقہ کے اسباب پر جب غور کیا جاتا ہے تو اس کا سبب خدا اور آخرت سے غفلت اور دوسری قوموں کی طرح صرف دنیا کی چند روزہ مال و دولت اور عزت و جاہ کی ہوس بے لگام ہے، جو ہمارے معاشرہ میں کبھی سیاسی اقتدار کے لئے کش مکش، تجارتی اور صنعتی ریس، عہدوں اور منصوبوں کی خاطر باہمی تصادم کی صورت میں ہمارے معاشرہ کو پارہ پارہ کرتی ہے اور کبھی مذہبی اور دینی نظریات کی آڑ اور مختلف نظاموں کے روپ میں ہمیں ایک دوسرے کے خلاف اہانت و استہزاء پر اکسا کر ہماری بربادی و تفرقہ کا ذریعہ بن جاتی ہے، وگرنہ اجتہادی نظریات کے باہمی اختلافات کے باوجود صحابہؓ و تابعینؒ کی طرح ہماری جنگ کا رخ صرف کفر والحاد اور بے دینی کی طرف ہوجائے اور اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مختلف جماعتیں ایک صف اور ایک بنیان مرصوص نظر آئیں۔

ذمہ دار علماء سے دردمندانہ گزارش

سیاسی اور اقتصادی میدان اور اعزاز و منصب کی دوڑ میں بے اعتدالیوں کی روک تھام تو سردست ہمارے بس میں نہیں لیکن خود دین و مذہب کے لئے کام کرنے والی جماعتوں کے نظریاتی اور نظامی اختلافات اشتراک مقصد کی خاطر معتدل کئے جاسکتے ہیں۔ اگر ہم اسلام کے

بنیادی اصول کی حفاظت اور الحاد و بے دینی کے سیلاب کی مدافعت کے اہم مقصد کو صحیح معنی میں مقصد اصلی سمجھ لیں تو یہ وہ نقطۂ وحدت ہے کہ جس پر مسلمانوں کے سارے فرقے' ساری جماعتیں جمع ہو کر کام کر سکتی ہیں اور اسی وقت اس سیلاب کے مقابلہ میں کوئی مؤثر کام انجام پاسکتا ہے۔

لیکن حالات کا جائزہ یہ بتاتا ہے کہ یہ مقصد اصلی ہی ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے' اس لئے ہماری ساری توانائی اور علم و تحقیق کا زور آپس کے اختلافی مسائل پر صرف ہوتا ہے' وہی ہمارے وعظوں' جلسوں' رسالوں اور اخباروں کا موضوع بحث بنتے ہیں۔ ہمارے اس عمل سے عوام یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ دینِ اسلام صرف ان دو چیزوں کا نام ہے۔ اور جس رخ کو انہوں نے اختیار کر لیا ہے اس کے خلاف کو گمراہی اور اسلام دشمنی سے تعبیر کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں ہماری وہ طاقت جو کفر و الحاد اور بے دینی اور معاشرے میں بڑھتی ہوئی بے حیائی کے مقابلہ پر خرچ ہوتی آپس کی جنگ و جدل میں خرچ ہونے لگتی ہے۔ اسلام و ایمان ہمیں جس محاذ پر لڑنے اور قربانی دینے کے لئے پکارتا ہے وہ محاذ دشمنوں کی یلغار کے لئے خالی پڑا نظر آتا ہے۔ ہمارا معاشرہ سماجی برائیوں سے پر ہے' اعمال و اخلاق برباد ہیں' معاملات و معاہدات میں فریب ہے۔ سود' قمار بازی' شراب' خنزیر' بے حیائی' بدکاری ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر چھاگئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ انبیاء کے جائز وارث اور ملک و ملت کے نگہبانوں کو آج بھی اپنے سے نظریاتی اختلاف رکھنے والوں پر جتنا غصہ آتا ہے اس سے آدھا بھی ان خدا کے باغیوں پر کیوں نہیں آتا' اور آپس کے نظریاتی اختلافات کے وقت جس "جوشِ ایمانی" کا اظہار ہوتا ہے وہ ایمان کے اس اہم محاذ پر کیوں ظاہر نہیں ہوتا۔ ہمارا زور زبان اور زور قلم جس شان سے اپنے اختلافی مسائل میں جہاد کرتا ہے اس کا کوئی حصہ دینی سرحدوں اور اصول ایمانی پر ہونے والی یلغار کے مقابلہ میں کیوں صرف نہیں ہوتا؟ مسلمانوں کو مرتد بنانے والی کوششوں کے بالمقابل ہم سب بنیانِ مرصوص کیوں نہیں بن جاتے؟

آخر ہم اس پر غور کیوں نہیں کرتے کہ بعثت انبیاء اور نزول قرآن کا وہ مقصد عظیم جس نے دنیا میں انقلاب برپا کیا اور جس نے غیروں کو اپنا بنایا' جس نے اولاد آدم کو بہیمیت سے نکال کر انسانیت سے سرفراز کیا اور جس نے ساری دنیا کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا' کیا وہ صرف یہی مسائل تھے جن میں ہم الجھ کر رہ گئے ہیں اور کیا دوسروں کو ہدایت پر لانے کا طریق اور پیغمبرانہ

دعوت کا یہی عنوان تھا جو آج ہم نے اختیار کر رکھا ہے:

اَلَمْ یَأْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِکْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ

"کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل اللہ کے ذکر اور اس کے نازل کئے ہوئے حق کی طرف جھک جائیں"۔

آخر وہ کون سا وقت آئے گا جب ہم اپنے نظریاتی اور نظامی مسائل سے ذرا آگے بڑھ کر اصول اسلام کی حفاظت اور بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح کو اپنا اصلی فرض سمجھیں گے۔ ملک میں عیسائیت اور کمیونزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی خبرلیں گے' قادیانیت کے انکارِ حدیث اور تحریفِ دین کے لئے قائم شدہ اداروں کا پیغمبرانہ دعوت و اصلاح کے ذریعہ مقابلہ کریں گے؟ اور اگر ہم نے یہ نہ کیا اور محشر میں ہمارے ماویٰ اور ملجا رسول کریم ﷺ نے ہم سے یہ سوال فرمایا کہ میری شریعت اور میرے دین پر یہ حملے ہو رہے تھے' اسلام کے نام پر کفر پھیلایا جارہا تھا' میری امت کو میرے دشمنوں کی امت بنانے کی کوشش مسلسل جاری تھی' قرآن و سنت کی کھلے طور پر تحریف کی جارہی تھی' خدا اور رسول کی نافرمانی اعلانیہ کی جارہی تھی تو تم مدعیان علم کہاں تھے' تم نے اس کے مقابلہ پر کتنی محنت اور قربانی پیش کی؟ کتنے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستے پر لگایا۔ تو آج ہمیں سوچ لینا چاہئے کہ ہمارا کیا جواب ہوگا؟

راہِ عمل

اس لئے ملت کا درد اور اسلام و ایمان کے اصول و مقاصد پر نظر رکھنے والے حضرات علماء سے میری دردمندانہ گزارش ہے کہ مقصد کی اہمیت اور نزاکت کو سامنے رکھ کر سب سے پہلے تو اپنے دلوں میں اس کا عہد کریں کہ اپنی علمی و عملی صلاحیت اور زبان و قلم کے زور کو زیادہ سے زیادہ اس محاذ پر لگائیں گے جس کی حفاظت کے لئے قرآن و حدیث آپ کو بلا رہے ہیں۔

(۱) علماء کرام! اس بات کا عہد بھی کیجئے اور فیصلہ بھی کہ اس کام کے لئے اپنے موجودہ مشاغل میں سے زیادہ سے زیادہ وقت نکالیں گے۔ (۲) دوسرے یہ کہ آپس کے نظریاتی اور اجتہادی اختلاف کو صرف اپنے اپنے حلقہ درس اور تصنیف و تالیف اور فتویٰ تک محدود رکھیں گے۔ عوامی جلسوں' اخباروں' اشتہاروں' باہمی مناظروں اور جھگڑوں کے ذریعہ ان کو نہ اچھالیں گے۔ ان حلقوں میں بھی پیغمبرانہ اصول دعوت و اصلاح کے تابع رہتے ہوئے دلخراش

عنوان اور طعن و تشنیع' استہزاء و تمسخراور صحافیانہ فقرہ بازی سے گریز کریں گے۔ (۳) تیسرے یہ کہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی بیماریوں کی اصلاح کے لئے دلنشیں عنوان اور مشفقانہ لب و لہجہ کے ساتھ کام شروع کردیں گے۔ (۴) چوتھے یہ کہ الحاد و بے دینی اور تحریف قرآن و سنت کے مقابلہ کے لئے پیغمبرانہ اصول دعوت کے تحت حکیمانہ تدبیروں و مشفقانہ' ناصحانہ بیانوں اور دلنشیں دلائل کے ذریعہ "مجادلۃ بِالّتی ھی احسن" کے ساتھ اپنے زورِ زبان اور زورِ قلم کو وقف کردیں گے۔

میں جو کچھ کہہ گیا ہوں افسوس کہ نہ میرا منصب تھا نہ علماء کرام کے سامنے مجھے ایسی جرأت کرنا چاہئے تھی' مگر دکھی دل کے کچھ کلمات ہیں جو زبان پر آگئے۔ میرے محترم بزرگ مجھے معاف فرمائیں اور اگر ان باتوں میں کوئی مفید پہلو ہے تو وہ خود ان کا اپنا کام ہے اس کو اختیار فرمائیں۔ مجھے امید ہے کہ اگر حضرات علماء اس طرف متوجہ ہوگئے اور کام شروع کیا تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ "اِنْ تَنْصُرُ وا اللّٰہَ یَنْصُرْ کُمْ" (یعنی اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا) آنکھوں سے پورا ہوتا مشاہدہ کریں گے۔

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

(بشکریہ تعمیر حیات' لکھنؤ)

ضرورت رشتہ

صوم صلوۃ کی پابند' باپردہ' تعلیم بی اے لڑکی کے لئے ایسے دینی مزاج کے حامل خاندان سے رشتہ درکار ہے جن کا گھر ٹی وی کی لعنت سے پاک ہو!

برائے رابطہ: محمد شکیل

معرفت دفتر انجمن خدام القرآن' فیصل آباد' فون: ۶۲۴۲۹۰

بیرون ملک مقیم وفاقی حکومت سے منسلک ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور دیندار شخص کی ۲۷ سالہ بیٹی کے لئے جس کی تعلیم بی اے ہے اور جو متعدد زبانوں بالخصوص عربی اور فرانسیسی سے اچھی واقفیت رکھتی ہے' دینی ذہن رکھنے والے تعلیم یافتہ ملازمت پیشہ یا صاف ستھرے کاروبار کے حامل نوجوان کا رشتہ مطلوب ہے۔

برائے رابطہ: ڈ-ا-ن-خ

معرفت مینیجر ماہنامہ میثاق' ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن' لاہور

نئی نسل کو دین کی تعلیم دینا وقت کی اہم ضرورت ہے

جدہ سے ملک وملت کا درد رکھنے والی ایک پاکستانی خاتون کا امیر حلقہ سندھ جناب نسیم الدین صاحب کے نام خط اور اس کا جواب

محترم نسیم الدین صاحب
السلام علیکم

امید ہے آپ سب مع اہل خانہ بخیریت ہوں گے۔ ڈاکٹر صاحب کے دو عدد کیسٹ علم کی اہمیت اور جدّہ کا خطاب عام روانہ کر رہی ہوں۔ میں نے فون پر آپ کی اکیڈمی میں کسی صاحب سے فرمائش کی تھی کہ کچھ کیسٹ حکومت کے لوگوں کو بھجوادیں۔ میرا خیال ہے کہ "جدہ کا خطابِ عام" سیاست دانوں کے لئے بہتر ہو گا۔ دوسرے یہ دونوں کیسٹ کاپیاں بنوا کر تعلیمی اداروں کے زمہ دار اساتذہ اور اخبارات کے دفتروں اور مؤثر دفاتر میں بھجوادیں۔ اس مقصد کے لئے میں دس ہزار کا چیک روانہ کر رہی ہوں۔ اگر کم پڑ جائیں تو آپ لکھیں' کیونکہ کراچی میں چائے وغیرہ اور کھانوں کے جو چھوٹے چھوٹے ہوٹل ہیں وہاں اکثر غریب لوگ کھانے اور چائے وغیرہ کے لئے جمع ہو جاتے ہیں' خصوصاً رات کو کھانے کے بعد کافی دیر باتیں کرتے ہیں اور ہوٹل والے کی طرف سے واہیات گانوں کی تفریح فراہم ہوتی ہے۔ میں نے گِذری میں ایسے ہی ایک ہوٹل میں قرآن کا کیسٹ دیا اور یہ idea بہت اچھا لگا۔ وقت کی کمی کے باعث میرے لئے یہ سب ممکن نہیں ہے۔ مگر میرا دل چاہتا ہے کہ پاکستان کے ایسے ٹھکانوں پر جہاں سے ہر وقت گانے اور میوزک مفت میں لوگوں کو سننے کو ملتی ہے اور اذان کے وقت بھی بند نہیں ہوتی وہاں قرآن کے کیسٹ ترجمہ والے خوشی محمد اور طلعت حسین وغیرہ کے اور تفسیر کے کیسٹ بڑی تعداد میں تقسیم کئے جائیں تاکہ سعودی عرب کی طرح پاکستان میں بھی لتا کے بجائے قرآن کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ message آپ لاہور کی قرآن اکیڈمی کو بھی دیں اور اس کام کے لئے مطلوبہ رقوم آپ بلا تکلف لکھ سکتے ہیں۔ علم کی فضیلت کا کیسٹ بہت اچھا ہے۔ اور سب سے بڑی بات وہی ہے کہ قرآن کی تعلیم کو دنیا کی تعلیم سے الگ کر کے پیچھے ڈال دیا گیا ہے۔ پاکستان میں دین کی بات کرنا ہی جہاد ہے' اس کا تجربہ مجھے ذاتی طور پر ہے۔ خصوصاً اپنے پڑھے لکھے سقراط بقراط قسم کے بھانجے بھتیجوں سے بات کر کے جو

تجربہ ہوا وہ اتنا تکلیف دِہ تھا کہ واپس آتے ہی میں نے اپنے بیٹے پر دینی تعلیم پر خصوصی توجہ دینی شروع کر دی ہے۔ بقول ڈاکٹر صاحب سب سے بڑا دجالی فتنہ یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ اور ان نوجوانوں کے معیار کی لڑکیاں ہمارے گھرانوں میں تیار ہو رہی ہیں۔ پوری نسل کی تباہی کا انتظام ہے۔ ایک اور بات یہ ہے کہ آپ کی قرآن اکیڈمی میں جن طالب علموں کو صحیح انگلش نہیں آتی ہے یا اردو میڈیم کے ہیں ان کے لئے بہترین انگلش بولنے کا انتظام بہت ضروری ہے۔ ہماری قوم دنیاوی Status سے بہت متاثر ہوتی ہے۔ خصوصاً اچھے امریکن اور برٹش اسکولوں کے بچے خاص طور پر احساسِ برتری میں رہتے ہیں اور کراچی میں یہ اصطلاح "اردو میڈیم" کسی کا مذاق اڑانے اور طنز کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ اس لئے آپ کے جو بھی نوجوان قرآن اکیڈمی سے نکلیں انہیں فراٹے سے انگلش بولنی ضرور سکھائیں، اس لئے کہ آجکل کے سقراطوں کو انہی کی زبان میں بات کرنا بہت ضروری ہے اور طالب علموں کو بہت بولڈ ہونا چاہئے اور ان میں بہت زیادہ Confidence پیدا کریں۔ پرانی وضع قطع کے مولوی ٹائپ لوگوں کی بات سے عام ذہنیت کا انسان متاثر نہیں ہوتا۔ یہاں بھی اب نئے "مطوّعے" بہت تعلیم یافتہ شائستہ انگلش میں بات کرتے ہوئے اور بہترین لباس میں نظر آتے ہیں۔ بازاروں میں جو خواتین وغیرہ کو پردے پر ٹوکتے ہیں یا اور اسی قسم کی ذمہ داری پوری کرتے ہیں۔

آپ کے یہاں جب بھی درس یا دینی محفل کے بعد دعا ہو تو میرے بیٹے عمر فاروقی کے لئے ضرور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ دین کی اشاعت اور سربلندی میں اس کا نام ضرور لکھ دیں۔ آمین۔ اور اسے ہمارے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین۔ عمر امریکن اسکول میں پڑھتا ہے اور گھر پر میں نے اس کے لئے قرآن و حدیث کی باقاعدہ تعلیم شروع کی ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ یہ مرحلہ میرے لئے آسان کر دیں۔ آمین۔ میں اسے قوی مومن دیکھنا چاہتی ہوں جو دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حق کی بات کہہ سکے۔ آپ کی تمام قرآن اکیڈمیوں سے اسی قسم کے نوجوان نکلنے چاہئیں جو معاشرہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دین کی بات کر سکیں اور لوگوں کو قائل کر سکیں۔ ورنہ سیدھے سادھے مولوی قسم کے حضرات دین دار پاکستان میں ہزاروں ہیں، ان سے مطلوب فائدہ بہت کم ہوتا ہے۔ "علم کی فضلیت" میں ڈاکٹر صاحب نے بہت صحیح اور پیاری بات کی ہے کہ پنجاب یونیورسٹی سے دینی مدرسہ کا صرف ۲ میل کا فاصلہ ہے، مگر ذہنیت میں صدیوں کا فاصلہ ہے۔ وضع قطع میں یہ فاصلے پورے پاکستانی معاشرہ بلکہ مسلم امت کا المیہ ہیں۔ مردہ قوموں میں زندگی کی

لہر پیدا کرنے کے لئے اور شیطانی ذہنیتوں سے مقابلہ کرنے اور انہیں قائل کرنے کے لئے اس خلیج کو ختم کرنا بہت ضروری ہے۔ یہ بھی جہاد ہے۔ اور جو لوگ مال خرچ کر سکتے ہیں انہیں بہت زیادہ مالی مدد کرنی چاہئے۔ فاروقی اور عمر فاروقی سلام کہتے ہیں۔ بھائی کی خدمت میں سلام عرض ہے۔
نکہت حامد

قابل احترام بہن نکہت فاروقی صاحبہ
السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ
آپ کا طویل خط دس ہزار روپے کے چیک کے ساتھ موصول ہوا۔ چیک کی رسید منسلک ہے۔

اس خط میں آپ نے دین کے لئے اپنے دل میں محسوس ہونے والے جذبہ کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ یقین جانئے کہ آپ کا خط پڑھ کر ہمیں بے انتہا خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہ صرف یہ کہ دنیوی مال و متاع سے نوازا ہے بلکہ دین کے لئے بھی دردمندی کا وافر خزانہ عطا کیا ہے۔ پاکستان کی ان خوشحال بہنوں کے مقابلہ میں جن میں سے بیشتر مغرب سے ہمارے معاشرے میں سرایت کردہ مہلک جراثیم کا شکار ہیں آپ کے خیالات کو پڑھ کر میں سجدۂ شکر بجالاتا ہوں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دین کے لئے آپ کے جذبوں میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔
بہن! آپ کو پتہ ہے کہ مریض کے علاج کے لئے صحیح تشخیص لازمی ہے ورنہ قیمتی سے قیمتی دوائیں بھی غیر مؤثر ہو کر رہ جاتی ہیں اور مریض بیچارہ ع "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کی تصویر بن کر رہ جاتا ہے۔ ہمارا معاشرہ بھی ایک مریض معاشرہ ہے۔ خوفِ خدا اور فکرِ آخرت سے بے نیاز معاشرہ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے اس معاشرہ کو احساس دلایا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں جکڑا ہوا ہے اور بندگی کے کچھ تقاضے بھی ہیں جن کی تکمیل اس کی صحت کے لئے ناگزیر ہے۔ الحمد للہ کہ ہم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کی سربراہی میں اس کام میں مصروف ہیں۔ ہم الٹے سیدھے Antibiotics کے بجائے قرآن حکیم کا "ٹانک" اس معاشرہ کو پلانے کے لئے کوشاں ہیں۔ اس لئے کہ خوفِ خدا اور فکرِ آخرت اس معاشرے میں پیدا ہو سکتا ہے تو اسی قرآن کریم کے "ٹانک" کے ذریعہ۔ ہم نے تمدنی ارتقاء کے نتیجہ میں پیدا شدہ تقاضوں کو بھی پیش نظر رکھا ہوا ہے۔ ہمارا ہدف وہی ذہین اقلیت ہے جو بقول آپ کے دین سے برگشتہ "بقراطوں اور سقراطوں" کو

ان ہی کی زبان میں سمجھایا جا سکے۔ ہم اس کے لئے کوشاں ہیں۔

آپ چند دن پاکستان میں گزار کر فحش گانوں کی ریکارڈنگ سے پریشان ہیں جبکہ ہمارا حال یہ ہے ع "کہ ہم اس آگ میں ڈالے گئے ہیں مثلِ خلیل"۔ گزشتہ دو ماہ کے دوران ہم نے سندھ کے I.G اور D.I.G پولیس کو اس منکر کے سدِباب کے لئے ان کی ذمہ داریوں کو یاد دلانے کے لئے خطوط لکھے۔ ہم آپ کے فراہم کردہ کیسٹ کو بھی انشاء اللہ استعمال کریں گے گو کہ ہمیں ان Devils Advocates سے کسی خیر کی توقع نہیں لیکن ایک منظم قوت بننے سے پہلے تو ہمیں یہ کام کرتے رہنا ہے۔ اس سے پہلے بھی آپ کے مشورہ پر ہم وزیر اعظم' صدر' وزیر نشرواشاعت' وزیر داخلہ' چیئرمین سینٹ' اسپیکر قومی و صوبائی اسمبلی' وزیر اعلیٰ سندھ' مینجنگ ڈائریکٹر ٹی وی اور ریڈیو' الطاف حسین اور بہت سے دوسرے مقتدر حضرات کو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ویڈیو کیسٹ بھیج چکے ہیں۔ ان پر اثر تو کچھ نہیں ہوا لیکن ہماری طرف سے حجت قائم ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس کام میں اس نے ہمیں آپ جیسا معاون عطا کیا ہوا ہے۔ ہم آپ کی پیشکش سے ان شاء اللہ پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے۔ ہم آپ کو ایک بہن (مسز فہیم) کا پتہ لکھ رہے ہیں جو فی الحال جدہ میں مقیم ہیں۔ یہ بھی اپنے دل میں دین کا درد رکھتی ہیں اور اس کے غلبہ کے لئے کوشاں ہیں۔ اگر ممکن ہو تو ان سے ضرور رابطہ قائم کیجئے۔

ہماری صمیم قلب سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے صاحبزادے کو نہ صرف علم دین سے وافر حصہ عنایت فرمائے بلکہ عمل کا وہ جذبہ بھی عطا فرمائے جو موجودہ طاغوتی نظام کی تبدیلی کا ذریعہ بن سکے۔ بھائی فاروقی صاحب کو میرا سلام عرض کیجئے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ لوگوں کی واپسی کے وقت میں کراچی میں موجود نہیں تھا اس لئے ملاقات نہ ہو سکی۔

والسلام مع الاکرام
نسیم الدین

بقیہ: فتنہ دجال

شیاطین کی علامت کی تعبیر ویڈیو ریکارڈنگ کے تصور پر پوری طرح منطبق ہوتی ہے۔ یہی وہ علامات ہیں جن کی بنیاد پر بجا طور پر اس کیفیت اور اس فضا کا انطباق عصر حاضر پر کیا جا سکتا ہے' جس کو احادیث میں فتنۂ دجالیت سے معنون کیا گیا ہے۔ (جاری ہے)

رفتار کار

مبتدی تربیت گاہ، ملتان کی ایک مختصر رپورٹ

تنظیم اسلامی کے منہج میں "تربیت" کی بہت اہمیت ہے۔ کچے، ناپختہ، ناتجربہ کار لوگ اگر دھن، دھونس، دھاندلی، سرمایہ، فریب اور پر فریب نعروں کے ذریعے میدان عمل میں کود پڑیں تو ناکام ہو جائیں گے، مار کھا جائیں گے، جب تک کہ وہ تربیت کے مراحل سے نہ گزریں۔ ۔

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو

تنظیم اسلامی پاکستان کے ناظم اعلیٰ اور ناظم تربیت نے اس سال یہ پروگرام بنایا کہ تربیت گاہوں کو اگر علاقائی سطح پر منعقد کیا جائے تو ان میں رفقاء کی شمولیت بہتر بنائی جا سکتی ہے اور یہ تجربہ ان شاء اللہ بہتر نتائج پیدا کرے گا۔

چنانچہ اسی سلسلے کی ایک مبتدی تربیت گاہ ملتان میں ۳ تا ۹ ستمبر منعقد کی گئی جس میں دوسرے احباب کو بھی شامل ہونے کی ترغیب دلائی گئی۔ تنظیم اسلامی ملتان نے اس سلسلے میں ۵۰۰ پوسٹر چھپوا کر مختلف چوکوں اور مساجد کے باہر لگوائے۔ ساتھ ہی کالجوں اور یونیورسٹی میں بھی پوسٹر لگوانے کا اہتمام کیا۔ قرآن اکیڈمی ملتان کی مسجد میں جمعہ کے خطاب کے بعد اس کا اعلان بھی کیا گیا۔

اس تربیت گاہ میں تقریباً ۲۴ افراد نے جزوی / کل وقتی شرکت کی۔ رفقاء میں سے ۱۳ اور احباب میں سے ۱۱ افراد شامل ہوئے۔ تقریباً ۱۲ افراد نے کل وقتی شرکت کی اور اکیڈمی میں قیام کیا۔ بقیہ حضرات صبح کے سیشن میں تو آتے رہے البتہ شام کے اوقات میں کبھی آئے کبھی نہ آئے۔

جمعہ ۳ ستمبر کو بعد از نماز عصر اس تربیت گاہ کا آغاز ہوا۔ باہمی تعارف اور حاضری کے بعد آئندہ کے پروگراموں کے بارے میں بتلایا گیا۔ بعد از مغرب بذریعہ ویڈیو کیسٹ تنظیم اسلامی کے منشور کی پہلی کیسٹ دکھائی گئی۔ پروگرام کچھ اس طرح سے ترتیب دیا گیا کہ صبح ساڑھے آٹھ بجے سے ایک بجے تک ایک ایک گھنٹے پر مشتمل چار لیکچر ہوتے اور درمیان میں چائے کا وقفہ ہوتا۔ نماز ظہر کے بعد آرام کا وقفہ ہوتا۔ نماز عصر کے بعد تجوید پڑھائی جاتی یا مختلف موضوعات پر ساتھیوں سے تقاریر کروائی جاتیں۔ مغرب کے بعد ایک ویڈیو دکھائی جاتی۔ رات کو تہجد کے لئے اٹھایا جاتا۔ نماز فجر کے بعد درس قرآن ہوتا۔

تربیت گاہ میں جو مضامین پڑھائے گئے وہ مندرجہ ذیل تھے: دینی فرائض کا جامع تصور، عبادت رب، رسومات، ارکان اسلام کی شرعی حیثیت، مختلف دینی تحریکوں کا ایک جائزہ، اسلام اور سیاست پاکستان، قرآن حکیم کی کچھ منتخب آیات اور سورتیں، تحریک کے کارکنوں کے اوصاف، انقلابی جماعت کی ہیئت اور لزوم بیعت ---- یہ مضامین محترم رحمت اللہ بٹر صاحب، مختار حسین فاروقی صاحب اور ڈاکٹر عبدالخالق نے پڑھائے۔ جبکہ راقم نے قرآن حکیم کے مختلف حصوں پر مشتمل درس دیا جس کے دوران افہام و تفہیم کے

(باقی صفحہ ۶۶ پر)

KHALID TRADERS

AUTHORIZED AGENTS **NTN** BEARINGS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

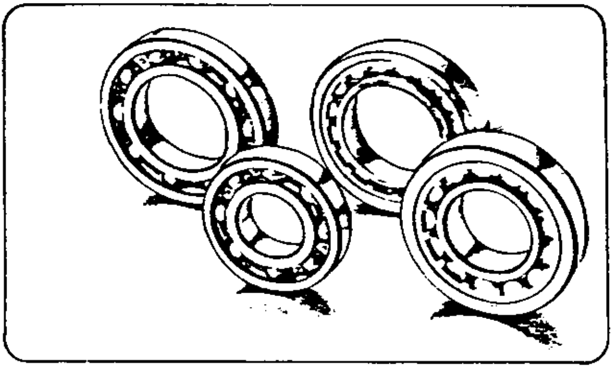

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly)
Amin Arcade 42,
Brandreth Road, Lahore-54000
Ph : 54169

GUJRANWALA :
1-Haider Shopping Centre, Circular Road,
Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

REG NO. L 7360
VOL. 42 NO 10
OCT 1993

پاکستان کا سب سے زیادہ فروخت ہونے والا

جوہر جوشاندہ

فلو، نزلہ، زکام اور گلے کی خراش کا مؤثر علاج

صدیوں سے آزمودہ جوشاندہ
اب فوری حل ہونے والے انسٹنٹ
جوہر جوشاندہ کی شکل میں۔
ترکیبِ استعمال: ایک کپ گرم
پانی یا چائے میں ایک پیکٹ
جوہر جوشاندہ ملائیں
اور جوشاندہ تیار۔
دن میں دو یا تین پیکٹ
جوہر جوشاندہ
استعمال کریں۔

تحقیق کی روایت
معیار کی ضمانت

آسان استعمال
مؤثر علاج

Interflow